Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

WEB SPECIAL NOVEL

ذُو الکفل

نور بانو

ذُوالکفل

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

از قلم نور بانو

All Rights Reserved

Copyright: Noor Bano (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

ذُوالکفل کے تمام جملہ حقوق لکھاری "نور بانو" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

قسط نمبر:03

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

علی جبران کے مینشن میں رونقوں کا بازار گرم تھا۔ نیو ایئر کی تقریب کا خاص احتمام کیا گیا تھا۔ پبلک میں اپنی غمزدہ امیج کو برقرار کے لئے گھر میں ہی قریبی دوست و احباب کو مدعو کیا۔ تا کہ عوام کو ایسا نہ لگے کہ علی جبران بیٹے کی موت کا غم بھول کر اپنے دوستوں کے ساتھ مزے کر رہے ہیں۔ ایسا کرنے سے ان کی پارٹی کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ لوگ ہاتھ میں گلاس لئے یہاں وہاں گھوم رہے تھے۔ ان کے چہروں کو دیکھ کر ہرگز نہیں لگتا تھا کہ اس گھر میں کچھ ماہ پہلے کسی کا انتقال ہوا ہے۔

سوائے ایک شخص کے اور وہ تھیں داور کی ماں نیلوفر علی۔۔۔ ان کے چہرے پر اب پہلے جیسا رعب اور ولولہ نہیں تھا۔ بے شک ایک ماں کے دل پر جوان بیٹے کی موت سو چٹانوں جتنی بھاری گزرتی ہے۔ اور وہ بوجھ ان کی آنکھوں میں واضح دکھائی دے رہا تھا۔

وہ بادل ناخواستہ ہی لوگوں سے ہنس مل رہی تھیں۔ کیونکہ شوہر کی فرمانبرداری ہمارے معاشرے میں خود کو منوانے کا ٹکٹ ہوتا ہے۔ اگر شوہر کی جنت حاصل کرنی تھی تو مجبوری میں بھی مسکرانا تھا۔ نیلوفر علی بھی اس وقت تقریب میں یہی کام کر رہی تھیں۔

"علی صاحب آپ جیسا بہادر اور مضبوط انسان میں نے اب تک نہیں دیکھا۔ اتنا بڑا سانحہ گزر گیا آپ کی ذات پر مگر مجال ہے جو آپ ذرا بھی لڑکھڑائے ہو۔ "

ان کے کسی دوست نے گلاس میں موجود مائع حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

"بس چوہدری صاحب یہ تو میرا ہی دل جانتا ہے کہ داور کی موت کو میں نے کس طرح برداشت کیا ہے۔ اگر میرے کندھوں پر پارٹی کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو شاید علی جبران اتنی مضبوطی کا مظاہرہ نہیں کرپاتا۔ یہ سب تو آپ کے پیار اور تعاون سے ہی ممکن ہو پایا ہے۔ "

چہرے پر غمزدہ تاثرات نمودار ہوئے پھر اتنی ہی سہولت سے زائل بھی ہوگئے۔ واقعی ان سیاستدانوں سے بڑا اداکار کوئی نہیں ہو سکتا اور علی جبران نے تو اپنے ایک انٹرویو میں یہ بھی کہا تھا کہ اُنہیں بچپن سے ہی اداکاری کا کافی شوق رہا تھا۔ اگر وہ سیاست میں نہیں ہوتے تو یقیناً فلم انڈسٹری میں کوئی نہ کوئی گُل ضرور کھلاتے اور قسمت کی کرنی یہ ہوئی کہ اُنہیں فلموں میں اداکاری کا موقع نہیں ملا تو اُنہوں نے اپنا یہ شوق سیاست میں پورا کرلیا۔

چمکتی شام کے رنگوں تلے ذوالکفل ڈی آئی جی سرمت کے ساتھ بے دلی سے کھڑا دور سے علی جبران کی حرکتیں ملاحظہ کر رہا تھا۔

"سر ان سیاستدانوں نے تو ہمارے فلمی اداکاروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ "

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"خبر دار ذُوالکفل سکندر یہاں دیواروں کے ساتھ ساتھ کرسی، پنکھے اور ان گلاسوں کے بھی کان ہیں۔ "

انہوں نے ہاتھ میں پکڑے گلاس کی جانب سرسری سا اشارہ کیا۔

"واہ لیٹسٹ ٹیکنالوجی لگتی ہے۔ "

انداز مضحکہ خیز تھا۔ سرمت صاحب نے تنبیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ بلکل سیدھا ہوگیا۔ یہ کیس اس کے کریئر کے لئے بہت اہم تھا۔ اس لئے وہ پھر کوئی بدمزگی نہیں چاہتے تھے۔

"سرمت صاحب آپ کو سر نے یاد کیا ہے۔ "

تھوڑی دیر وہاں بیزار ہونے کے بعد اُن کے سیکرٹری تنویر نے اُنہیں اپنے مالک کا پیغام دیا۔ آخر کار علی جبران صاحب نے اُنہیں ملاقات کا شرف بخش ہی دیا تھا۔ ذُوالکفل نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ اگر وہ اس کیس کا انویسٹیگیشن آفیسر نہیں ہوتا تو ہرگز اس شخص کی دہلیز پر قدم نہیں رکھتا۔ مگر اُسے ذاتی اور پیشہ ورانہ معاملات کو الگ رکھنا تھا۔

علی جبران اس کیس کے سلسلے میں بذات خود اس پولیس آفیسر سے ملنا چاہتے تھے۔ جس کو ڈی آئی جی سرمت صاحب کی ریکمنڈیشن پر اپوائنٹ کیا گیا تھا۔

علی جبران اپنے دو دوستوں کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ جب ان کے سیکرٹری تنویر نے ان کے کان میں دھیرے سے ان کی موجودگی کی اطلاع دی تو وہ آہستگی سے گھومے، ان کے ہاتھ میں شیشے کا گلاس تھا۔ آنکھیں سکوڑ کر جانچتی نگاہوں سے ذوالکفل کے سراپے کو سر سے پاؤں تک ٹٹولتی نگاہوں سے دیکھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"سر یہ ذوالکفل سکندر خان ہے۔ جن کے بارے میں۔۔۔"

علی جبران نے سرمت صاحب کو ہاتھ کے اشارے سے ٹوکا۔ وہ ذوالکفل کو دیکھ رہے تھے۔ وہ پولیس یونیفارم میں ملبوس تھا۔ ہمیشہ کی طرح نڈر اور شاندار لگ رہا تھا۔

"ذوالکفل ...سکندر ...خان"

ٹھہر ٹھہر کر اس کا نام لیا پھر گلاس پاس کھڑے سیکرٹری کو تھماتے ہوئے۔ وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر بولنے لگے۔

"بہت سُنا ہے تمہارے بارے میں۔"

"درست ہی سُنا ہو گا۔ بے شک پھر وہ اچھا ہو یا بُرا۔ "

وہ اس نام کو کیسے بھول سکتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا۔ جس نے علی جبران کے ایک لوتے بیٹے پر ہاتھ اٹھانے کی جسارت کی تھی۔ اس کا جواب سُن کر سرمت صاحب کے چہرے پر ٹینشن اُبھری، اُنہوں نے غیر آرامدہ ہوکر پہلو بدلا۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اُسے انگنت بار خاموش رہنے کی تلقین کر چکے تھے۔ مگر یہ کتے کی دم نہیں تھی۔ ذوالکفل سکندر تھا۔ کتے کی دم بھی شاید سیدھی ہوسکتی تھی مگر وہ صدا کا ٹیڑھا ہی رہنے والا تھا۔

"ہمم اب لگتا ہے کہ داور کا قاتل جلد ہی سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔"

وہ ہلکا سا مسکرائے تھے۔ سرمت صاحب نے سکون کا سانس لیا۔

"بلکل ایسا ہی ہو گا۔"

وہ علی جبران کے سامنے کھڑا، پُراعتمادی سے ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔ علی جبران خاموشی سے سر اثبات میں ہلا کر دوبارہ رُخ پھیر گئے۔

علی جبران اور ذوالکفل سکندر کی براہِ راست یہ پہلی ملاقات تھی۔ لیکن اتنی پہلی نہیں تھی کہ وہ اُن سے ہوئی بالواسطہ گفتگو بھول جاتا۔ اُسے وہ دن آج بھی یاد تھا۔ جب ذوالکفل نے سگنل توڑنے اور ایک آن ڈیوٹی آفیسر کو دھمکانے کے جرم میں داور علی کو گرفتار کیا تھا۔

نیم روشن آفس میں ذوالکفل اور انسپکٹر جنرل آف پولیس اکرم بھوانی میز کے اطراف میں آمنے سامنے تھے۔ اوپر لٹکتا ایک سفید بلب روشن تھا۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ داور ایک پاور فُل سیاستدان کا بیٹا ہے۔ پھر اُسے اریسٹ کرکے ہیرو بننے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہاری وجہ سے میری نوکری خطرے میں پڑ گئی ہے۔"

اس کی بھنویں خفگی سے تن گئیں۔ اُسے یہ بات سخت ناگوار گزری تھی۔

"آپ اپنے عہدے اور مقام سے ناانصافی کر رہے ہیں سر قانون سب کے لئے ایک برابر ہوتا ہے۔"

سادگی سے شانے اُچکائے۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پر جمی تھیں۔ وہ اُنہیں دیکھ تک نہیں رہا تھا۔

"اے مجھے مت سکھاؤ قانون کس کے لئے کتنا ہے۔ اس عہدے تک میں ہوا میں چل کر نہیں پہنچا سمجھے۔ "

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

آئی جی پی اکرم بھوانی کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"خیر تم نے جو اتنا رائتہ پھیلایا ہے۔ اس کے باوجود بھی علی صاحب تمہیں معاف کرنے پر راضی ہیں۔ بس تمہیں پریس کانفرنس میں یہ کہنا ہوگا کہ ایک چھوٹی سی غلط فہمی کی وجہ سے تم نے داور کو گرفتار کرلیا۔ اس کے بدلے میں تمہاری پروموشن کردی جائے گی۔ "

چند لمحے خود کو ٹھنڈا کرنے کے بعد وہ تحمل کے گھونٹ پیتے ہوئے بولے۔

"میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا سر "

"تمہارا دماغ پھر گیا ہے لڑکے جو اپنے بہتر مستقبل کو اس طرح سے ٹھوکر مار رہے ہو۔"

"میرے بہتر مستقبل کا فیصلہ علی جبران کی بھیک میں دی ہوئی پروموشن نہیں 'میں خود کروں گا۔ "

جرآت مندی سے وہ کہہ تو گیا تھا مگر اکرم بھوانی کا چہرہ بلکل ہی سرخ پڑ گیا تھا۔ جبڑے بھنچ گئے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے ٹیبل پر رکھا فون زور زور سے بجنے لگا۔ اُنہوں نے خفگی سے ذوالکفل کے ڈھیٹ وجود پر نگاہ ڈال کر فون کانوں سے لگایا۔ دوسری جانب علی جبران تھے۔ وہ فوراً ان کی تکریم میں کرسی سے کھڑے ہوگئے۔ ذوالکفل کے چہرے پر ہلکی تنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"اوپر سے نیچے تک سب کرپٹ ہیں سالے"

دل ہی دل میں افسوس اور غصے سے تبصرہ بھی کیا تھا۔

"ذوالکفل علی صاحب تمہارا جواب سُننا چاہتے ہیں۔ "

ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُنہوں نے ایک بار پھر اُسے تنبیہہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ جیسے وہ اُسے باور کرانا چاہتے تھے کہ مخالفت کرنے پر اس کی وردی بھی اُتر سکتی ہے۔

"میرے لئے میری وردی سے زیادہ اہم اس پر لگے ستارے ہیں۔ جِسے میں نے اپنے سینئرز اور پولیٹیشنز کے تلوے چاٹ کر نہیں بلکہ اپنا خون دے کر کمائے ہیں۔ مجھے علی جبران صاحب کی پیشکش ہرگز قبول نہیں۔ "

ہنوز دیوار کو تکتے ہوئے وہ فروانی سے بول گیا۔ ماتھے پر شکن تک نہیں اُبھری تھی۔ شاک سے اکرم بھوانی کی رنگت متغیر ہوگئی تھی۔ یقیناً یہ جملے ٹیلی فون پر موجود شخص نے بھی سن لئے تھے۔ کال منقطع ہوگئی۔

"تم جیسا بیوقوف حب الوطن میں نے آج تک نہیں دیکھا ذوالکفل "

اکرم بھوانی کو اب تک یقین نہیں آرہا تھا۔

"آپ کو یہ عہدہ اور ان سیاستدانوں کی غلامی مبارک ہو مگر مجھ پر غلامی کی ایک سانس بھی حرام ہے۔"

بادل ناخواستہ سلیوٹ مارتے ہوئے وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ ہینڈ سیٹ پکڑے وہ سیدھے کھڑے، بے یقینی سے دروازے کو تکتے رہے۔ گویا برف کا مجسمہ ہو گئے تھے۔

اس قصے کو میڈیا والوں نے اتنا ہائی لائٹ کیا تھا کہ ذوالکفل راتوں رات سلیبرٹی بن گیا تھا۔ لوگ اُس کی دیدا دلیری پر داد دے رہے تھے۔ وہی علی جبران کی امیج کو اس واقعے کی وجہ سے کافی نقصان پہنچا تھا۔ نیوز چینلز پر ان کی تربیت کو لیکر طرح طرح کی باتیں کی جارہی تھیں۔ الیکشن کے وقت اس طرح کا واقع ہونا ان کے حق میں بہت برا ثابت ہو سکتا تھا۔ اور ایک بھی غلط قدم ان کے سالوں کی محنت پر لمحوں پر پانی پھیر دیتا۔

کچھ مہینوں بعد ذوالکفل کا ٹرانسفر لاہور میں کر دیا گیا تھا۔ جہاں اُسے ایجوکیشن منسٹر کی سکیورٹی پر تعینات کر دیا گیا۔ معاشرے کا المیہ ہے۔ یہ لوگ جھوٹوں کو حکمرانی کا تاج پہناتے ہیں اور سچوں کو اُنہی کرپٹ اور جھوٹے حکمرانوں کے پاؤں تلے روند دیتے ہیں۔

☆...☆...☆

"صدیق ونڈر فُل جاب "

ریم اپنی آفس کی کرسی پر بیٹھی ستائشی نظروں سے علی جبران کی نیو ایئر پارٹی کے مناظر اپنی لیپ ٹاپ اسکرین پر چمکتے دیکھ رہی تھی۔ ریلیوں میں ختاب کرتے ہوئے۔ داور کا نام لیکر وکٹم کارڈ کھیلنے والے علی جبران کے چہرے پر دور دور تک کوئی غم یا شکن موجود نہیں تھا۔ وہ شراب کا گلاس پکڑے اپنے عزیزوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے اور کافی خوش دکھائی دے رہے تھے۔ یہ فوٹیج دیکھتے ہوئے ریم بیگ کے چہرے پر پل بھر کے لئے تنزیہ سی مسکان اُبھری تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"میم پتہ کرنے پر مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ علی جبران اور ان کی بیوی کے درمیان تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ "

صدیق نے چند صفحے ریم کے آگے رکھے۔ جن پر ایک نظر ڈالتے ہی ریم کے چہرے پر ایک بار پھر سے مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

"اگلے ہفتے علی جبران اور ان کی بیوی کا کپل انٹرویو ہونے والا ہے۔ پتا کرو کہ ہوسٹ کون ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے ہمیں یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا ہے۔ "

وہ رُکی

"سوچو یہ فوٹیج لائیو انٹرویو کے دوران منظر عام پر آئے گی تو علی جبران کو سنبھلنے کا موقع تک نہیں ملے گا۔ عوام کے سامنے ان کی امیج کی دھجیاں اُڑ جائے گی۔ اور اس طرح ڈیڈ کی پوزیشن عوام کے سامنے اور کلیئر ہو جائے گی۔ جس سے ان کا ووٹ بینک اور بھی مضبوط ہو جائے گا۔"

اس نے پرجوشی سے کہا تو صدیق تیزی سے بولا۔

"ڈونٹ وری میم میں نے پہلے ہی ہوسٹ کا پتہ لگا لیا ہے۔ آپ بے فکر ہوجائیں۔ "

ریم کی آنکھوں میں ایک بار پھر سے ستائش ابھری تھی۔

☆...☆...☆

ذوالکفل اپنی اسٹڈی روم میں اسٹینڈ پر لگے بڑے سے بورڈ کے سامنے اپنے کسرتی بازوؤں کو سینے پر لپیٹے کھڑا تھا۔ بلیو جینز پر بھورے رنگ کی وی شیپ گلے والی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بورڈ کے بیچ و بیچ داور کی تصویر چسپاں تھی۔ جس کے اردگرد تین سے چار لوگ اور تھے۔ جن کی تصویریں وہاں نام کے ساتھ موجود تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جن کا داور سے اچھا اور بُرا تعلق تھا۔

اس نے بولڈ مارکر سے سب سے پہلے عرفات بیگ کی تصویر پر سرکل بنایا۔ پلٹ کر ٹیبل تک آیا۔ جہاں چند فائلز بکھری ہوئی تھیں۔ جھک کر کچھ فائلز کو جگہ سے ہلائیں تو نیچے سے عرفات بیگ کی فائل اوپر آگئی۔ عرفات بیگ چوبیس سال کا خوش شکل لڑکا، پولیٹیشن شاہنواز

بیگ کا ایک لوتا بیٹا تھا۔ صفحے پر چند لائنز ہائی لائٹ کیں پھر پلٹ کر دوبارہ بورڈ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

جو اپنی سوتیلی بہن کی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے کبھی بھی منظر عام پر نہ آسکا۔

عرفات کی تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے۔ اس کے ماتھے پر بل مزید گہرے ہوئے۔ وہ جتنا سیدھا اور خوش اخلاق خود کو دکھاتا تھا۔ اتنا سیدھا اور خوش اخلاق وہ تھا نہیں، یہ سب تو شاہنواز بیگ کے سامنے اپنی ڈوبتی شخصیت کو ٹکا کر رکھنے کی کوششیں تھیں۔ مگر وہ کوششیں بھی اکثر ناکام ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ شاہنواز بیگ اپنے لڑکے پر کڑی نظر رکھتے تھے۔

عرفات کی تصویر کے بلکل نیچے ریم بیگ کی تصویر چسپاں تھی۔ اس نے عرفات کی فائل بند کرکے شیلف پر رکھی اور ریم کی فائل باہر نکالی۔

ریم بیگ، شاہنواز بیگ کی بیوی کے پہلے شوہر کی بیٹی تھی۔ جو دنیا کی نظر میں غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھی۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ ریم بیگ ان غیر معمولی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ عرفات کی طرح وہ بھی ایک ایورج اسٹوڈنٹ ہی تھی۔ اس کے گریڈز اتنے اچھے نہیں تھے۔

وہ پڑھائی میں اپنے سوتیلے بھائی کی طرح کمزور تھی۔ مگر ایک فرق تھا دونوں میں، ریم بیگ عرفات سے تھوڑی زیادہ چالاک تھی۔ اس نے اپنی عقل اور سوتیلے باپ کے پیسوں کا استعمال کرکے یہ صلاحیتں خریدی تھیں۔ اس کا بریلینٹ اکیڈمک ریکارڈ اور اچیومنٹس سب دھوکہ تھیں۔ یہاں تک کہ وہ مائیکروسافٹ کی انٹرنشپ بھی دکھاوا تھی۔ وہ ای-میل جو اُسے

مائیکروسافٹ کی جانب سے موصول ہوئی تھی وہ فرضی تھی۔ وہ تمام سرٹیفیکٹس، میڈلز سب جھوٹ تھا۔ وہ تو رشوت کے دم پر اپنے گریڈز بڑھاتی تھی۔

ریم کے بلکل ساتھ سارہ بیگ کی تصویر موجود تھی۔ ذوالکفل نے آنکھیں سکوڑ کر ان کی تصویر کو دیکھا۔۔۔ !!اس نے فوراً سارہ بیگ کی فائل اٹھا کر نظروں کے سامنے کی اور بنا رُکے صفحات پلٹتا گیا۔ یہ کہانی کا کونسا کردار تھا۔ جس کا ریکارڈ بلکل صاف ستھرا تھا۔ اس نے پوری فائل پڑھنے کے بعد ایک بار پھر سامنے بورڈ پر لگیں۔ اُن تمام تصویروں کو باری باری دیکھا۔

اس کیس سے بہت سی اہم شخصیات جُڑی ہوئی تھیں۔ اور ہر شخص کا دوہرا کردار تھا۔ اس کیس سے زیادہ، اس کیس سے جُڑے لوگ مشکل تھے۔ یہ وہ ڈوریاں تھیں۔ جو آپس میں ہی اتنی اُلجھی ہوئیں تھیں کہ ایک ڈور ہلانے پر گُتھی سلجھنے کے بجائے مزید اُلجھ سکتی تھی۔
ذوالکفل نے ان کی فائل بھی بند کرکے شیلف پر رکھ دی۔

☆...☆...☆

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کالونی کے گھر کے ٹی وی لاؤنج میں بلکل خاموشی تھی۔ جانان لاؤنج کے سنگل صوفے پہ دونوں پاؤں سمیٹ کر بیٹھی تھی۔ گود میں لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔ اُنگلیاں کی پیڈ پر متحرک تھیں۔ اسکرین پر بہت سے ہندسے چمک رہے تھے۔ چند کیس دبائیں، پاسورڈ ڈالا، اسکرین پر سرخ نشان کے ساتھ رونگ پاسپورڈ کا پیغام اُبھرا۔۔۔۔ جانان زچ ہوئی۔ پھر سے چند کیس دبائیں، دوسرا پاسورڈ ڈالا اور اس بار اسکرین پر سبز رنگ لہرایا۔ اس کے چہرے پر تسلی بخش

مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ چار گھنٹے کی انتھک کوششوں کے بعد وہ لیپ ٹاپ لاگ ان ہو گیا تھا۔

لاؤنج سے نکل کر اندر کمرے میں آؤ تو زرمینہ اپنی الماری کے پٹ کھولے کھڑی تھیں۔ بالوں کا جوڑا بنا رکھا تھا۔ سیاہ بالوں میں اب ہلکی ہلکی چاندی نظر آنے لگی تھیں۔ بستر پر کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ جنہیں وہ ایک ایک کرکے تہہ کرتی جارہی تھیں۔ الماری میں کپڑے جمانے کے بعد اُنہوں نے سب سے اُوپر والے خانے میں ہاتھ ڈالا، کپڑوں کے ساتھ پرانی تصویروں سے بھرا ڈبہ بھی لڑھک کر زمین پر گر گیا۔

اُچک کر کپڑوں کو نکالتے ہوئے اُنہوں نے گردن جھکا کر دیکھا۔ تصویریں زمین پر بکھر گئی تھیں۔ وہ لمحے بھر کے لئے ساکن ہوئیں۔ کمرے کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا۔ جانان لاؤنج کے سنگل صوفے پر بیٹھی نظر آئی۔ اس کی کمرے کی جانب پشت تھی۔ اُنہوں نے آہستگی سے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ پنجوں کے بل جُھک کر ڈبہ سیدھا کیا تو اندر سے چند مزید تصویریں پھسل کر باہر آگئیں۔ وہ ایک ایک کرکے تصویروں کو دیکھتیں یاسیت سے ڈبے میں واپس ڈال رہی تھیں۔ بلیک اینڈ وائٹ تصویروں میں مسکراتے چہرے اب حقیقت میں کہیں کھو گئے تھے۔ کچھ دھندلی یادیں ماضی کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے اندر جھانکنے لگیں۔

"جو انسان دل میں ہوتا ہے۔ وہ ہاتھوں کی لکیروں میں کیوں نہیں ہوتا؟"

زرمینہ اپنے کمرے میں کھڑکی سے لگ کر کھڑی آسمان کو یاسیت سے تکتے ہوئے بڑبڑائیں۔

"شاید تم نے ہاتھ ڈیٹول سے دھو لئے ہوں گے۔ اس لئے جراثیم کے ساتھ ساتھ تمہارے پسند کا انسان بھی دُھل گیا ہے۔"

سارہ کی مضحکہ خیز جملے پر وہ ٹھٹھک کر پلٹی تھی۔ مایوں کے پیلے لباس میں سارہ کا لال کندھاری چہرہ چمک رہا تھا۔

"آپ اندر کیوں آگئیں؟ "

آج سارہ کی مایوں کی تقریب تھی۔ ہال میں سارے کزنز اور رشتدار جمع تھے۔

"میں نے سوچا تھوڑی دیر کمر سیدھی کرلوں دوپہر سے بیٹھ بیٹھ کر میری ہڈیاں اکڑ گئی ہیں۔ "

وہ بستر کے سرہانے تکیہ برابر کرتی آرام سے دونوں پاؤں چڑھا کر بیٹھ گئی۔ زرمینہ نے سارہ کے سجے دھجے وجود کو دیکھا۔ وہ واقعی حسین لگ رہی تھی۔ اس کے مقابلے زرمینہ اتنی خوبصورت نہیں تھی مگر نین نقش اُس کے بھی جاذب نظر تھے۔

"ویسے یہ تم لیلیٰ کی طرح کھڑکی سے لگ کر کس مجنو سے بچھڑنے کا سوگ منا رہی ہو۔؟ "

سارہ نے شک بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ اب وہ اپنی بہن کو کیا بتاتی وہ جِس کے بچھڑنے کا غم منا رہی ہے۔ وہ کوئی اور نہیں اُسی کا ہونے والا شوہر ہے۔

"میں کیوں کسی کے بچھڑنے کا سوگ منانے لگی۔۔ "

زرمینہ نے لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خفگی سے سر جھٹکا مگر حقیقت تو اس کے برعکس تھی۔ جو اب زرمینہ سے چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

سُہیل سے زرمینہ کی ملاقات پہلی بار ان کے گھر پر ہی ہوئی تھی۔ جب محمود سبزواری نے پہلی بار اُنہیں اپنے گھر چائے پہ مدعو کیا تھا۔

سُہیل عباس جس سرکاری دفتر میں بطور کلرک کام کرتے تھے۔ محمود سبزواری اُس دفتر میں اٹھارہ گریڈ کے آفیسر تھے۔ سُہیل عباس ایک ایماندار انسان تھے۔ اور محمود سبزواری اُنہیں خاصا پسند بھی کرتے تھے۔ اس لئے اکثر اُنہیں شام کی چائے پر اپنے گھر بُلا لیا کرتے یا کبھی خود ان کے گھر چلے جاتے۔

زرمینہ کے دل میں پہلی نظر میں ہی سُہیل کے لئے پسندیدگی کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اور جیسے جیسے وقت گزرا یہ پسندیدگی بڑھتی چلی گئی۔ دوسری جانب سُہیل کی نظروں میں بھی زرمینہ کے لئے نرم سے جذبات تھے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کیونکہ زرمینہ میں وہ ساری خوبیاں تھیں۔ جو وہ اپنی عمر بھر کی ساتھی میں دیکھتے تھے۔ وہ سگھڑ، کم گو اور سادہ سی لڑکی تھی اور ان کی یہ سادگی اُنہیں بہت پسند تھیں۔ سارہ سے بھی ان کی ایک دو دفع ملاقات ہو چکی تھی۔ لیکن سارہ، زرمینہ سے بلکل اُلٹ تھیں۔ وہ ماڈرن، منہ پھٹ اور بہت چنچل تھیں۔

سُہیل ایک بہت اچھے انسان تھے۔ جو ایماندار ہونے کے ساتھ ساتھ خوش شکل اور اپنی ماں کے ایک لوتے بیٹے بھی تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد گھر کی تمام ذمہ داریاں بھی اٹھا رکھی تھیں۔ وہ دن بھر دفتر میں کام کرتے پھر شام میں محلے کے بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھاتے۔ محمود سبزواری کو سُہیل کی فرمانبرداری، ایمانداری اور اخلاق نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اُنہیں اپنے داماد کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔

اس لئے خود ہی ان کی اماں سے اپنی بڑی بیٹی سارہ کے رشتے کی بات چھیڑ دی۔ سُہیل کی اماں ایک سلجھی ہوئی اور سیدھی سی خاتون تھیں۔ ان کے بیٹے کا رشتہ اتنے اچھے خاندان کی بیٹی سے جڑنا ان کے لئے فخر کی بات تھی۔ اُنہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے بنا اعتراض کئے اس رشتے کے لئے ہامی بھر دی۔ دوسری جانب سُہیل عباس کو جب اس رشتے کا پتہ چلا تو وہ خجالت کے مارے اس رشتے کے تردید تک نہ کر سکے۔ وہ محمود سبزواری کا بہت احترام کرتے تھے۔ مشکل وقت میں جب ان کے اپنوں نے بھی ان سے منہ موڑ لیا تھا۔ ایسے حالات میں صرف وہی ایک انسان تھے۔ جس نے سُہیل کی بہت مدد کی تھی۔ ایسے شخص کے فیصلے پر وہ کیسے اعتراض کر سکتے تھے۔

محمود سبزواری سخت باپ نہیں تھے۔ لیکن گھر میں کبھی کسی نے ان کے فیصلوں پر اعتراض ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس فیصلے سے طیبہ سبزواری بھی بہت خوش تھیں۔ سارہ جیسی انسان کے لئے سُہیل سے بہتر انتخاب نہیں ہوسکتا تھا۔ سارہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر انکار کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں تھی۔ سُہیل ایک لوتا تھا، خوش شکل، ایماندار اور اچھا انسان تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ رشتہ محمود سبزواری کو پسند تھا۔ اس لئے سارہ نے باپ کے احترام

کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا۔ اس طرح زرمینہ اور سُہیل عباس کی خاموش محبت نے خاموشی سے ہی دم توڑ دیا۔ دل کی بات دل میں ہی دفن ہوگئی۔ جس روز محمود ولا سے سارہ کی ڈولی اٹھی تھی۔ اس رات زرمینہ سبزواری کی خواہشوں کا بھی جنازہ اُٹھ گیا تھا۔

زرمینہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھا، ماضی نظر چرا کر بھاگ چُکا تھا۔ کڑکتی دھوپ بھی نرم پڑ چکی تھی۔ اُنہوں نے تصاویر کا ڈبہ بند کرکے دوبارہ الماری میں رکھ دیا۔

☆...☆...☆

اپنا کام ختم کرکے ذوالکفل نیچے آیا تو بینش سکندر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھیں چینل سرفنگ کر رہی تھیں۔

"ذرا چائے تو پلوا دیں بینش بیگم۔"

وہ ان کے بلکل پاس آکر بیٹھ گیا۔

"بیلا ڈی ایس پی صاحب کی چائے لے آؤ۔"

بلند آواز میں کہا پھر رُخ اس کی جانب موڑا۔

"کیا بات ہے جانے من آج موڈ بڑا اچھا ہے۔"

"ہاں موڈ تو اچھا ہے بہت"

اٹھلا کر شانے اُچکائے۔

"اچھا جی ذرا ہمیں بھی خوش ہونے کا شرف بخشیں پھر "

بیلا چائے اور بسکٹ کی پلیٹ سینٹر ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔

"میں نے تمہاری مامی اور جان کو اس ویکنڈ ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔ "

ذوالکفل کے چہرے کے تاثرات ہلکے سے بدلے تھے۔ مگر بینش سکندر نے غور نہیں کیا۔ وہ پرجوشی سے اُسے کل کے پروگرام کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ اور شام کو جلدی گھر آنے کی تلقین بھی کر رہی تھیں۔

"بینش بیگم اس ویکنڈ مجھے بہت ضروری کا۔۔۔۔ "

"آنکھ پھوڑ کر بھینگا بنا دوں گی اگر مجھے کوئی بھی بہانہ دیا تو"

اُنہوں نے فوراً ذوالکفل کی بات کاٹی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بینش بیگم آپ دن بدن بدمعاش ہوتی جا رہی ہیں۔ ایک پولیس والے کو دھمکی دینے کے جرم میں آپ کو اچھی خاصی سزا بھی ہو سکتی ہے۔ "

"بیٹا یہ پاکستان ہے یہاں بدمعاشوں کو سزا نہیں ملتی ".

ذوالکفل نے مسکینیت سے آہ بھری۔

"بینش بیگم مذاق مذاق میں کتنی سچی بات کہہ دی آپ نے "

ذوالکفل کے انداز پر وہ کھل کر مسکرائیں۔

"چھ سال پہلے جب داور علی کو میں نے اس جرم میں اندر کیا تو علی جبران نے مجھے ہی باہر کر دیا۔ اور اب قسمت کا چکر دیکھیں، میں ہی ان کے بیٹے کا قتل کیس لیڈ کر رہا ہوں۔"

"بیٹا دنیا چاہے جتنی ناانصافی کرلے لیکن اللہ اپنے سچے بندوں کے ساتھ کبھی ناانصافی نہیں کرتا کیونکہ ظلم کی شام چاہے جتنی بھی لمبی ہو ایک نہ ایک دن ڈھل ہی جاتی ہے۔"

وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"واہ بینش بیگم یہ چائے اور آپ کی بات نے میرا دل خوش کردیا۔ اسی خوشی میں کل شام آپ کا یہ غلام آپ کو گھر پر ملے گا۔ جائیں کیا یاد کریں گی کہ کس ایماندار، ہوشیار اور حسین پولیس افسر سے پالا پڑا ہے آپ کا۔"

مزے سے گرم گرم چائے کی چسکیاں بھرتا وہ بڑے ڈرامائی انداز میں بولا تھا۔

"ڈی ایس پی صاحب تھوڑی ایمانداری کا مظاہرہ کریں چائے بی بی نے نہیں میں نے بنائی ہے۔"

بیلا نے برتن دھوتے ہوئے کچن سے ہانک لگائی تو ذوالکفل نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

"بیلا بی بی رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔"

اس نے زور دے کر کہا تو بیلا منہ بسورے بولی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہاں تو میں رشوت تھوڑی مانگ رہی ہوں۔ آپ تو اتنے بڑے افسر ہیں۔ دو چار ہزار بخشش تو دے ہی سکتے ہیں۔"

"بیٹا میں بڑی محنت سے روزی روٹی کماتا ہوں۔ باقی افسران کی طرح گھونس نہیں کھاتا۔ "

ذوالکفل کا انداز ذرا شرارتی ہوا۔

"میں تو بڑا دلدار سمجھتی تھی آپ کو"

"دلدار ہوں غدار نہیں "

"آپ رہنے دیں۔ میری اس مہینے کی تنخواہ آئے گی تو میں آپ کو بخشش دے دوں گی۔ مجھ سے زیادہ تو آپ کو ضرورت ہے۔ "

ڈوپٹے سے گیلے ہاتھوں کو خشک کرتی وہ ٹیبل سے چائے کا خالی کپ اٹھاتے ہوئے خفگی سے بولی۔ اس کی بات پر بینش سکندر کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ عورت آپ کے بیٹے کی بے عزتی کر رہی ہے اور آپ ٹوکنے کے بجائے یہاں بیٹھیں ہنس رہی ہیں۔ "

اس نے مصنوعی شکوہ جھاڑا۔

"دیکھو تمہاری لڑائی ہے تم جانو "

وہ خود کو لاتعلق ظاہر کرتیں ٹی وی دیکھنے لگیں۔

"ٹھیک ہے پھر اس گھر میں یہ بیلا رہے گی یا پھر میں رہوں گا۔ "

وہ سپاٹ چہرہ بنا کر بازوں سینے پر لپیٹتے ہوئے بولا۔

"ڈی ایس پی صاحب پھر آپ اپنے لئے کوئی دوسری جگہ تلاش کرلیں کیونکہ میں تو کہیں نہیں جانے والی۔ "

کچن سے ایک بار پھر سے آواز آئی تھی۔ ذوالکفل نے حیرت سے کچن میں کام کرتی بیلا اور پھر اپنی ماں کو دیکھا۔ بینش سکندر کا قہقہہ بے قابو ہو رہا تھا۔

"قسم سے اللہ نے دو پاگل عورتوں کے بیچ پھنسا دیا ہے مجھے "

وہ پلیٹ سے بسکٹ اٹھاتا باہر کے دروازے کی طرف بڑھا۔

"اپنا سامان تو ساتھ لیتے جاؤ بیٹا۔ "

بیشن نے پیچھے سے ذوالکفل کو آواز لگا کر چھیڑا

"اتنی آسانی سے آپ کی جان چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا۔۔۔ زیادہ پھدکنے کی ضرورت نہیں ہے صرف واک پر جارہا ہوں۔"

"اچھا پھر آتے ہوئے دہی لے آنا۔ کل بریانی کے ساتھ رائتہ بھی بنا لوں گی۔"

بے نیازی سے کندھے اُچکائے۔

"اے خدا میری شکتیوں کا اس گھر میں غلط استعمال ہو رہا ہے۔ "

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

منہ سڑا کر کہتے ہوئے وہ گھر سے نکل گیا۔

☆...☆...☆

وہ دیر شام تک لاؤنج میں اپنے لیپ ٹاپ پر سر کھپانے کے بعد چیزیں سمیٹ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ مغرب کی آذان ہو چکی تھی۔ اور کمرے میں بلکل اندھیرا تھا۔ بس کھڑکی سے آتی اسٹریٹ لائٹ کی زرد روشنی میں اسٹڈی ٹیبل دکھائی دیتی تھی۔ جس پر کھڑکی کے گرل کا عکس بن رہا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ اور باقی چیزیں اپنے بیڈ پر رکھیں اور کھڑکی کے پاس آگئی۔

ماہی اپنے کمرے کی کھڑکی پر بیٹھی تھی۔ بیچ کی مانگ نکال کر دو پونیاں بنا رکھی تھیں۔ جانان کو دیکھ کر وہ پرجوشی سے مسکرائی۔ آج اس کا موڈ کافی اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے دیکھا گھر کے باہر کوئی اسکوٹر موجود نہیں تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ ماہی کی پرسکون مسکراہٹ کے پیچھے کی وجہ فوراً پہچان گئی۔ اس کے پاپا ابھی تک گھر نہیں آئے تھے۔ روز کی طرح آج ان کے گھر سے لڑائی جھگڑے کی آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں۔ وہ کرسی کھینچ کر وہی بیٹھ گئی۔ اشاروں میں بہت سی گفتگو بھی ہوئی۔ وہ لوگ اتنے عرصے سے ان کے پڑوسی تھے۔ مگر اس عرصے میں ان کی کبھی بھی کسی قسم کی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ شاید اس کے پاپا کو محلے کے لوگوں سے ملنا جلنا خاص پسند نہیں تھا۔ ایک

دفع کا ذکر ہے جب یونیورسٹی جاتے ہوئے۔ اس کا سامنہ ماہی کی امّی سے ہوا تھا۔ وہ باہر دروازے پر کھڑیں ماہی کی اسکول وین کا انتظار کر رہی تھیں۔

ماہی خوبصورت نین نقش والی پرکشش بچی تھی۔ دونوں کی شکلیں آپس میں بہت ملتی تھیں۔ اُسے دیکھتے ہی جانان کو وہ بہت معصوم اور پیاری لگی۔ یہ جانان کی ان دونوں سے براہِ راست پہلی اور آخری بار گفتگو ہوئی تھی۔ چند منٹ یا شاید چند سیکنڈز اس کے بعد ماہی کی اسکول وین آگئی۔ ماہی کی والدہ کافی سادہ، کم گو مگر خوش اخلاق خاتون تھیں۔

اس نے ابھی گاڑی کا دروازہ ٹھیک سے کھولا بھی نہیں تھا کہ ماہی کے گھر سے مرد کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ سردیوں کی صبح تھی۔

گلی میں مکمل خاموشی تھی۔ بس پرندوں کی گفتگو کا شور سنائی دیتا تھا۔ ایسے میں وہ غصے میں چلا چلا کر جو کچھ اپنی بیوی سے کہہ رہے تھے۔ صرف جانان ہی نہیں پورے محلے نے وہ باتیں سُنی تھیں۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھی، چند سیکنڈز بعد انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔ وہ ہنوز لڑ رہے تھے۔

"چپ کر بدکردار عورت"

یہ وہ آخری جملا تھا۔ جو جانان سبزواری کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔ سسکیاں، گالیاں، چیخ و پکار باقی سب کچھ اِنجن کے شور میں دب گیا تھا۔ اس دن کے بعد جانان نے کبھی بھی ماہی یا اس

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

کی امی سے غلطی سے بھی سلام دعا کرنے کی جسارت نہیں کی تھی۔ اگر کبھی آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو سر کے خم سے سلام دعا ہو جاتی۔

اسکوٹر کے ہارن نے اس کی سوچوں کے تسلسل میں خرابی پیدا کی تھی۔ ماہی اور جانان نے بروقت گلی میں آکر رکتی اسکوٹر اور پھر اس پر بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔ پھر اس نے ماہی کو گھبرا کر کھڑکی کا پٹ بند کرتے دیکھا تھا۔ کچھ لمحوں بعد گلی پھر سے ویران ہوگئی تھی۔

جانان نے گہری سانس پھیپھڑوں میں اُتاری، کرسی سے اٹھتے ہوئے وہ آج پھر سے ٹھٹکی تھی۔ لیمپ کے پاس آج پھر ایک نوٹ رکھا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر کاغذ کھولا۔

"گاڑی کی ہیڈ لائٹ پھوڑ کر غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تو یہ غلام آپ کی خدمت میں اپنا سر لیکر بھی حاضر ہوسکتا ہے۔ "

ساتھ منہ چڑاتا ایموجی بھی تھا۔ جانان کے لب سختی سے بھنچ گئے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ عرفات کی حرکتیں برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کا بس نہیں چلتا وہ واقعی اس کا سر پھوڑ دیتی اگر وہ اس کی سگی خالہ کی اولاد نہ ہوتی۔ اس نے غصے سے کھڑکی کے پار دیکھا۔

اُسی وقت کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر زرمینہ اندر داخل ہوئیں۔ اس نے نوٹ فوراً مٹھی میں دبا لیا۔ چہرے پر آتی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے۔ وہ ہنوز کھڑکی سے باہر لاتعلقی سے جھانکتی رہی۔

"کیا کر رہی ہو؟ "

اُنہوں نے کمرے کی لائٹ جلاتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"کچھ نہیں بس اپنے اگلے ناول پر کام کر رہی تھی۔ "اس نے رائٹنگ پیڈ کھینچ کر سامنے کیا۔

زرمینہ اس کی پشت پر کھڑی تھیں۔ کھڑکی سے آتی تازہ ہوا دونوں کے چہرے اور بالوں کو چھو رہی تھی۔

"ویکنڈ پر تمہاری پھپھو نے ہمیں ڈنر پر بلایا ہے۔ "

جانان پیڈ پر لاتعلقی سے الفاظ گھسیٹتی رہی جیسے اُن کی بات سُنی ہی نہ ہو۔

"تمہیں خاص طور پر آنے کا کہا ہے۔ "

اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے وہ پھر سے بولیں مگر جانان کچھ نہیں بولی۔

"اس میں تمہاری پھپھو کا کیا قصور ہے جان۔"

اس نے ضبط سے قلم روکا، لب بھینچ کر آنکھیں میچیں۔

"میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے امی۔ اس لئے میرے ساتھ زبردستی مت کریں پلیز۔ "

وہ اٹھ کر بستر تک آئی۔ جھک کر اپنا لیپ ٹاپ، بکس اور موبائل اٹھایا۔

"بس بہت ہوگئی تمہاری من مانیاں سمجھی، میں کچھ بولتی نہیں تو سر پر چڑھتی جا رہی ہو۔ "

اُنہوں نے برہمی سے اپنا رخ جانان کی طرف موڑا

"وہ تمہاری پھپھو ہے اور تمہارا کوئی حق نہیں بنتا کہ تم بار بار ان کی بے عزتی کرو۔ "

"حق تو ان کے بھائی کا بھی نہیں بنتا تھا مجھ سے میرا بچپن چھیننے کا۔۔۔ "

وہ سامان بستر پر دوبارہ پٹختی غصّے سے بولی مگر آواز مدھم تھی۔ زرمینہ اس کی آنکھوں میں اُبھرتے کرب کو دیکھتی لمحے بھر کے لئے تھم گئیں۔

"کسی دوسرے کی غلطی کی سزا کسی اور کو نہیں دیتے میری جان۔ "

انہوں نے تڑپ کر اس گلاب چہرے کو اپنی ممتا سے سہلایا۔

"یہ بات آپ نے، اپنے شوہر کو کیوں نہیں سمجھائی امّی؟ "

یہ سوال نہیں تھا۔ یہ خنجر تھا جو اس نے زرمینہ سبزواری کے سینے میں اُتارا تھا۔

"وہ کیوں آپ کا غصہ مجھ پر نکالتے تھے؟ میں تو ان کا خون تھی نہ؟ ان کی بیٹی؟ کوئی باپ اپنی بیٹی کے لئے اتنا بے رحم ثابت کیسے ہو سکتا ہے؟ بتائیں امّی کیا میں ان کی بیٹی نہیں تھی۔؟ "

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

زرمینہ سبزواری کی دنیا میں تاریکی سی چھا گئی تھی۔ اپنی بیٹی کی شکوہ کن آنکھوں میں اُنہیں اپنا وجود مجرم نظر آرہا تھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اجلال نے بچپن میں اس کے ساتھ جو وریہ رکھا۔ وہ اس رویے کی حقدار تو ہرگز بھی نہیں تھی۔ اجلال خان بھی تو زرمینہ کا غصہ جانان پر اتارتے آئے تھے۔ وہ شکوہ کس منہ سے کرتیں؟ جانان تو وہی کر رہی تھی۔ جو اس نے اپنے بڑوں کو کرتے دیکھا تھا۔

وہ نڈھال سی سر جھکائے وہی بستر پر بیٹھ گئی۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح مضبوط نہیں تھی۔ وہ پلک جھپک کر اپنی میموری کو مٹانے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھی۔ جانان سبزواری میں بہت سی غیر معمولی صلاحیتیں تھیں۔

مگر ہر کسی میں کوئی نہ کوئی کمی تو لازمی ہوتی ہے۔ جانان کی کمی اس کا حافظہ تھی۔ جانان ۔۔۔ لوگ، ان کے رویے اور ان کی تلخ باتیں بھلانے کی دلیری نہیں رکھتی تھی۔ قدرت نے اُسے مو آن کرنے کی صلاحیت سے محروم رکھا تھا۔

"میرا بس چلتا تو میں قوس قزح کے رنگ تمہارے نصیب میں ڈال دیتی جانان"

زرمینہ نے نمکین پانی میں ڈوبی نگاہوں کو نہیں اٹھایا بس خاموشی سے اس کے چہرے کو اپنے ساتھ لگایا اور نرمی سے اس کے بالوں کو سہلانے لگیں۔

"اللہ سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے امّی، اور وہ ان والدین کو سزا دے گا۔ جو اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ جو بھی دوسروں کے ساتھ ناانصافی کرے گا وہ ذلیل و خوار ہوگا۔ اُنہیں میری بد دعا لگے گی کیونکہ اُنہوں نے میرے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔"

زرمینہ کی گرفت کمزور ہوگئی۔

"جو شخص اس دنیا میں موجود نہیں اُس کے بارے غلط گمان نہیں رکھتے "

وہ بے بسی سے بولیں۔

"وہ موجود نہیں مگر ان کے دیئے گئے تمام زخم میرے وجود پر آج بھی موجود ہیں۔ "

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

زرمینہ کی نظر بے ساختہ اس کی پیشانی تک گئی۔ جہاں کٹ کا گہرا نشان تھا۔

اُنہوں نے خاموشی سے جانان کو خود سے دور کیا اور بنا کچھ کہے کمرے سے چلی گئیں۔ رات کے اندھیرے پن میں جانان کی سسکیوں نے مایوسی بڑھا دی تھی۔

☆...☆...☆

نیشنل اسٹیڈیم روڈ پر وہ سیاہ ٹراؤزر کی جیب میں دونوں ہاتھ مقید کئے جلدی جلدی چلتا جا رہا تھا۔ ماتھے کے گیلے بال اور چہرے پہ نمی تھی۔ رات کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے۔ سڑک پر اس وقت چند گاڑیوں کے سوا کوئی بھی پیدل چلتا نظر نہیں آرہا تھا۔

بحریہ یونیورسٹی کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے دیکھا آگے پیڈیسٹریئن کی طرف سے ایک برقع پوش لڑکی جلدی جلدی تقریباً بھاگتے ہوئے اُس کی سمت آرہی ہے۔ پیچھے بائیک پر دو لڑکے اُسے پیچھے سے بار بار آوازیں لگا کر پریشان کر رہے تھے۔

یونیورسٹی کی بیرونی لائٹس روشن تھیں۔ جس وجہ اس اندھیر سڑک پر وہ اُسے دور سے چلتا ہوا نظر آگیا تھا۔

"بھائی پلیز میری مدد کریں۔ یہ لڑکے مجھے پریشان کر رہے ہیں۔"

جلدی جلدی چلنے کی وجہ سے اس لڑکی کی سانس چڑھی ہوئی تھی۔ ذوالکفل نے گردن کڑا کر اس کی پشت پر موجود اُن لڑکوں کو غور سے دیکھا۔ وہ عمر میں لگ بھگ سترہ یا اٹھارہ سال کے تھے۔ چہرے پر مونچھیں بھی ٹھیک سے اُگی نہیں تھیں۔

"بیٹے پہلے ٹھیک سے پیدا تو ہوجا۔۔۔ یہ کن کاموں میں لگ گیا ہے؟ "

ذوالکفل نے آگے بیٹھے لڑکے کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"چل اپنے باپ کو مت سِکھا۔ "

پیچھے بیٹھے لڑکے نے مضحکہ خیز انداز میں بھرم سے کہا۔ ذوالکفل نے نظر اُس کے چہرے پر گھمائی۔ اس کے چہرے کے نقوش خفگی سے بھنچ گئے۔ بنا کچھ کہے ذوالکفل نے کھینچ کر اپنا ڈھائی کلو کا ہاتھ اس کے چکنے گال پر جما دیا۔ تھپڑ اتنا بہترین تھا کہ اس کے وجود سمیت بائیک بھی لڑکھڑا گئی۔

"بیٹا عمر سے بڑی شرارتیں نہیں کیا کرتے اور اپنے باپ سے تو بلکل بھی نہیں کرتے۔ "

سرخ چہرہ مٹھی میں بھینچ کر سختی سے کہا۔ یہاں ان دونوں کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ اس کے تاثرات دیکھ کر ذوالکفل کو اندازہ ہوگیا تھا کہ مقابل کو اس کی بات سمجھ آگئی ہے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ برقع پوش لڑکی ذوالکفل کے ساتھ کھڑی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے ہونٹ کے کناروں پر سلوٹیں اُبھریں۔

"س۔۔سوری انکل آئندہ نہیں ہوگا۔ "

دونوں نے بروقت لڑکھڑاتے ہوئے کہا۔ تھپڑ ایک کو پڑا تھا، مگر چودہ طبق دونوں کے روشن ہوگئے تھے۔

"اے میرے ہاتھوں ضائع ہونے کا ارادہ ہے؟ انکل کس کو بول رہا ہے۔ "

"س۔۔سوری سر"

ذوالکفل نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ آگے بیٹھا ہوا لڑکا پیچھے والے سے زیادہ کانپ رہا تھا۔ کیونکہ اس کا نازک چہرہ ذوالکفل کے ہاتھ سے چند سیکنڈز کی مسافت پر تھا۔

"شکل سے اچھے گھر کے لگتے ہو۔ یقیناً تمہاری ماں کو پتہ نہیں ہو گا کہ ان کا لال سڑکوں پر دوسروں کی بہن بیٹیوں کو اس طرح پریشان کررہا ہے۔ "

آگے بیٹھے لڑکے کو گریبان سے پکڑ کر ذرا سا قریب کیا۔

"صرف گھر کی عورتوں کی عزت کرنے سے آپ اچھے انسان نہیں بنتے، اگر اچھا بننا ہے تو ان عورتوں کی بھی عزت کرو جو آپ کے گھر کی نہیں ہیں۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔ ان کی کپکپاہٹ دیکھ کر ذوالکفل کے کندھے ڈھلکے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"چلو نکلو اب"

لڑکے کا گریبان ٹھیک کرتے ہوئے تامل سے کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"ج۔۔جی سر ۔۔۔ سوری باجی"

فٹافٹ کک مار کر بائیک اسٹارٹ کی اور اگلے ایک سیکنڈ میں وہ دونوں وہاں سے بجلی کی رفتار سے غائب ہوئے تھے۔

"تھینک یُو بھا۔۔۔۔ "

"آپ کو احتیاط کرنی چاہئے۔ کراچی کے حالات اتنے اچھے نہیں کہ رات کو سنسان سڑک پر تنہا پیدل گھوما جائے "

وہ اس کی بات کو کاٹتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اتنی رات کو اس سڑک پر تنہا کیا کر رہی تھی؟"

"میں ملینیم مال کے کے-ایف-سی میں کیشیئر کی جاب کرتی ہوں۔ قبرستان کے سامنے رکشے کا ٹائر پنکچر ہوگیا تھا تو رکشے والے نے مجھے وہیں پر اُتار دیا۔ ورنہ کس لڑکی کو سڑکوں پر اس طرح خوار ہونے کا شوق ہوتا ہے۔ "

وہ کافی نرم اور دھیمے لہجے میں بات کر رہی تھی۔ مگر انداز تھوڑا خفا خفا سا تھا۔ اُسے ذوالکفل کا انداز گفتگو برا لگا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"معزرت مجھے آپ سے اس طرح سے بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔"

ذوالکفل کے دل کو ندامت نے آگھیرا۔

"کوئی بات نہیں "

"آئیں میں آپ کو آگے تک چھوڑ دیتا ہوں۔ وہاں سے رکشہ آسانی سے مل جائے گا۔ "

یہ کہہ کر وہ اسٹڈیم کی جانب چل دیا۔ وہ لڑکی بھی خاموشی سے ذوالکفل کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

"آئندہ اپنے بھائی یا ابو سے کہنا تمہیں پک اینڈ ڈراپ دیں۔ اس طرح اکیلے آنا جانا محفوظ نہیں ہے بچے"

اس نے اپنائیت اور ہمدردی سے بے حد نرم انداز میں تقلین کی ۔۔۔۔

"ابو نہیں ہیں اور بھائی کوئی کام نہیں کرتا۔ گھر کے خرچ کی زمہ داری مجھ پر ہے۔"

"ابو کا انتقال ہوگیا؟"

وہ دونوں سڑک کے کنارے آگے پیچھے ذرا فاصلے سے چل رہے تھے۔

"نہیں وہ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ رہتے ہیں۔"

"اور بھائی کیا کرتا ہے؟"

"پورا دن دوستوں کے ساتھ آوارہ گردیاں کرتا ہے۔"

اب کی بار ذوالکفل نے اس کے لہجے میں غصہ محسوس کیا تھا۔ واقعی بچوں کی تربیت میں باپ بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خاص طور پر بیٹوں کی تربیت میں ۔۔۔۔ ذوالکفل نے بے ساختہ دل میں تبصرہ کیا۔

"فکر مت کرو بچے آئندہ کے بعد وہ آوارہ گردیا نہیں کرے گا۔ "

اس کے لہجے میں غیر دانستہ طور پر شفقت کا عنصر شامل ہوگیا۔ جِسے اُس لڑکی نے محسوس کیا تھا۔

"ناممکن۔۔۔ میرا بھائی بہت ڈھیٹ انسان ہے۔ "

مین روڈ آچکا تھا۔ یہاں اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں سڑک اور گاڑیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

"پولیس کی مار اچھے اچھوں کو بندہ بنا دیتی ہے۔ ایسے ڈھیٹ انسانوں کو ٹھوک پیٹ کر سیدھا کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔"

"آپ پولیس آفیسر ہیں؟"

شاک سے نگاہوں کا رخ اس کی طرف پھیرا، اس نے روشنی میں ذوالکفل کو پہلی بار غور سے دیکھا تھا۔ دراز قد، چوڑا سینا اور کستری بازوں۔۔۔ شکل صورت بھی اچھی تھی۔ وہ اُسے پولیس افسر کم ماڈل زیادہ لگ رہا تھا۔

"آپ کا پیٹ تو اندر ہے، آپ پولیس آفیسر کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"ہاں کیونکہ میں حرام نہیں کھاتا۔ "

اس کے حیرت زدہ استفسار پر ذوالکفل نے ذرا مسکرا کر کہا تھا۔

"بس اپنے گھر کا ایڈریس اور بھائی کا نام بتادو باقی سب تمہارا یہ بھائی دیکھ لے گا۔"

"وہ کبھی کبھی مجھے مارتا بھی ہے۔ پلیز آپ اُسے سمجھا دیجئے گا کہ مجھ پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ اور ہاں امّی سے بھی بہت بدتمیزی کرتا ہے۔ پرسوں میری تنخواہ سے پیسے بھی چُرا لئے تھے۔ "

اس نے امید بھری نگاہوں سے ذوالکفل کو دیکھتے 'جلدی سے اضافہ کیا تو اس کی ہنسی نکل گئی۔ وہ لڑکی بہت معصوم اور سیدھی تھی۔

"بے فکر ہو جاؤ آئندہ کے بعد تمہیں اس طرح سڑکوں پر ذلیل نہیں ہونا پڑے گا۔ اور احتیاط کرنا اس سڑک پر دوبارہ تنہا کھڑی مت ہونا۔ "

"نہیں میں تو کے ایف سی میں کیشیئر۔۔۔ "

" کیشیئرز کبھی بھی ہائی ہیلز نہیں پہنتے "

ذوالکفل نے نرمی سے درمیان میں اس کی بات کاٹ دی۔ اس برقع پوش لڑکی کا سانس تھم گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ سانس ساکن تھی۔ کیشیئرز کے جاب کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ اُنہیں زیادہ بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا اور کچھ جگہوں پر اُنہیں بیٹھنے کی بلکل بھی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسے میں کیشیئرز آرام دہ اور فلیٹ جوتے پہنتے ہیں تا کہ ان کے پیروں میں تکلیف نہ ہو۔ جبکہ اس لڑکی نے سیاہ رنگ کی پینسل ہیلز پہن رکھی تھیں۔ ذوالکفل پہلی نظر میں اُسے دیکھ کر پہچان گیا تھا کہ وہ کون ہے۔

"میں مجبوری کے تحت یہ کام کرتی ہوں۔ "

اس کے الفاظ لڑکھڑا گئے۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ یہ مردوں کا معاشرہ تھا۔ کوئی بھی عورت مجبوری کے سوا یہ کام کر بھی نہیں سکتی تھی۔

"آج کے بعد تم گھر میں عزت سے بیٹھو گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

یقین دھیانی کراتے ہوئے کہا۔

وہ اس شخص سے ابھی تھوڑی دیر پہلے ملی تھی۔ وہ اس کے محض ایک اجنبی تھا۔ بس فرق اتنا تھا کہ وہ اجنبی شخص نَر کا بچہ تھا۔ اس نے بھرے دل کے ساتھ سر جھکا لیا۔ ذوالکفل نے اُس سے اس کے بھائی کا نام اور گھر کا ایڈریس لیکر اُسے رکشہ کروایا اور والٹ سے چند ہزار کے نوٹ نکال کر اُس کی جانب بڑھائے۔

"نہیں مجھے پیسے نہیں چاہئیں۔"

اس نے خجالت سے انکار کیا۔

"بڑا بھائی کچھ دے تو منع نہیں کرتے بلکہ دو چار چیزوں کی مزید فرمائش کر دیتے ہیں۔ "

اس لڑکی کا چہرہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا۔ صرف سیاہ آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ جن میں کلو کے حساب سے حیرت تھی۔ نمی تھی، خوشی تھی۔ آج سے پہلے اُسے کسی مرد نے اتنی عزت نہیں دی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے سگے باپ اور بھائی نے بھی اُسے دشت زندگی کے اتار چڑھاؤ میں ابلہ پاؤ تنہا چھوڑ دیا تھا۔ محض منہ سے کہہ دینا کہ میں تمہارا باپ یا بھائی ہوں کافی نہیں ہوتا ردعمل سے ظاہر بھی کرنا ہوتا ہے۔

بنا کچھ کہے لڑکی نے وہ نوٹ پکڑ لئے۔۔۔۔ فرطِ جذبات سے وہ شکریہ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔ اس نے رکشے والے کو احتیاط سے رکشہ چلانے کی ہدایت دی اور پھر تب تک وہاں کھڑا رہا جب تک رکشہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

☆...☆...☆

جمعے کا دن تھا۔ اسٹیشن سے نکلتے ہوئے ذوالکفل کو بینش سکندر کا پیغام موصول ہوا۔ جس میں اُنہوں نے دعوت کے سامان کی ایک لمبی چوڑی لسٹ بھیج رکھی تھی۔ وہ آج کافی تھک چُکا تھا۔ اس وقت اس کا کہیں بھی دھکے کھانے کا بلکل بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس پھیپھڑوں میں اُتاری اور بادل ناخواستہ اپنی ماں کا حکم بجا لانے کے لئے نزدیکی سپر مارٹ پہنچ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں موجود موبائل پر لسٹ کھلی تھی۔ جبکہ دوسرے ہاتھ سے ٹرالی چلاتے ہوئے وہ ضروری سامان ایک ایک کرکے ٹرالی میں رکھتا جا رہا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ اس لئے مارٹ میں کافی گہما گہمی نظر آرہی تھی۔

سامان سے سجی ریکس کے درمیان جگہ اتنی تنگ تھی کہ ایک وقت پر دو ٹرالیوں کا ایک ساتھ گزرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے تیل کے دو پیکٹ ٹرالی میں رکھ کر بے نیازی سے ٹرالی آگے بڑھا دی اور پھر کسی لڑکی کے کراہنے کی آواز پر زور سے ٹھٹکا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"سیریلی۔۔۔؟"

جانان جو اُچک کر سب سے اوپر والے ریک پر رکھا آٹے کا پیکٹ اُتار رہی تھی۔ ٹرالی کی ٹکر سے لڑکھڑائی۔

"پانچ فٹ چار انچ کا انسان کھڑا دیکھائی نہیں دیتا تمہیں۔۔۔؟"

وہ غصے سے بڑبڑائی۔ ذوالکفل نے نا سمجھی سے سامنے اس لڑکی کو دیکھا۔ جو نیچے دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بالوں کی اوٹ میں تھا۔ وہ دم بخود سا اُسے دیکھتا رہا پھر فوراً بولا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ میرا دھیان کہیں اور تھا۔"

"شکر کرو آٹے کا پیکٹ سلامت ہے ورنہ اس کے پیسے تم سے بھرواتی میں۔۔ "

وہ اب پنجوں کے بل جھک کر آٹے کا پیکٹ اٹھا رہی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھ تک نہیں رہی تھی۔ بس منہ ہی منہ ناجانے کیا کیا بڑبڑائی جا رہی تھی۔

(عجیب مصیبت ہے۔ بولی چلی جا رہی ہے).

ذوالکفل نے دل ہی دل میں کہا۔ ضبط سے ہونٹ آپس میں ملائے۔

"آئی ایم ریلی سوری میم غلطی ہوگئی۔ اب آپ پلیز خاموش۔۔۔۔۔"!!!!

اس نے دانت پیستے ہوئے ایک بار پھر سے معزرت کرنے کی کوشش کی تھی مگر مقابل نے اُسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"آپ اپنی معزرت اپنے پاس رکھیں اور آئندہ آنکھیں کھول کر بازار جایئے گا۔ "

جانان نے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے۔ چہرہ اٹھا کر ایک نظر ذوالکفل کو دیکھا۔ برہم آنکھیں، لال کندھاری چہرہ ۔۔۔۔۔ ذوالکفل کی نظر ٹھہر گئی اور کئی لمحوں تک وہ نظر ٹھہری رہی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔

جانان برہمی سے شانے اُچکا کر ٹرالی گھسیٹتی مطلوبہ بلنگ کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئی اور ذوالکفل وہی منجمد کھڑا رہ گیا۔ زندگی میں پہلی بار کسی اجنبی نے اُسے کھری کھری سنائی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اُس نے کسی سے چپ چاپ ڈانٹ سنی تھی۔

اس نے فوراً پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ بے دھیانی میں کسی کا شانہ اُس سے ٹکرایا تھا۔

"سوری۔۔۔ "

کسی نے کہا مگر اس نے سنا نہیں۔ اس کا دھیان تو اس لڑکی پر تھا۔ وہ زیادہ دور نہیں تھی۔ بس ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا۔ ذوالکفل مسلسل اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سوچوں کا تسلسل بینش سکندر کی کام نے توڑا۔۔۔ !!ٹھٹک کر موبائل اسکرین پر نظر ڈالی پھر یس کا بٹن دباتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

"ڈی ایس پی صاحب سپر مارٹ میں دل لگ گیا ہے؟ "

دوسری جانب سے شرارت بھری آواز اُبھری اس نے مسکراتے ہوئے پھر سے پلٹ کر دیکھا مگر وہ جا چکی تھی۔

"شاید"

مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"چلو پھر آتے ہوئے پانچ کلو باسمتی چاول، تین کلو مٹن اور دو کلو مرغی کا بون لیس گوشت بھی لیتے آنا۔"

ہنس کر سامان میں اضافہ کیا۔

"ارے میں تو مزاق کر رہا تھا بینش بیگم آپ تو سنجیدہ ہی ہو گئیں۔۔ "

ہنکارا بھرتے ہوئے سر جھٹکا۔

"اور ہاں کالی دال تو میں بھول ہی گئی تھی۔ "

"میں نہیں لانے والا یہاں پہلے ہی کافی رش ہے۔"

اس نے اطراف میں دیکھا لوگوں کی تعداد خاصی تھی۔

"پھر گھر آنے کی ضرورت نہیں وہی سے واپس اسٹیشن چلے جانا۔"

"یار امی۔۔۔ہیلو؟"

اس نے مزاحمت کرنی چاہی مگر بینش کال منقطع کر چکی تھیں۔

"کیا زمانہ آگیا ہے یار شریف انسان کو سکون سے جینے بھی نہیں دیتے۔۔۔ "

افسوس سے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے۔ وہ ٹرالی لے کر آگے بڑھ گیا۔

☆...☆...☆

جانان جب تک گھر پہنچی تب تک مغرب کی آذانیں شروع ہو چکی تھیں۔ آسمان پر تاریکی پھیلنے لگی تھی۔ اردگرد گھروں کے باہر لگے بلب روشن ہوگئے تھے۔ جانان نے گاڑی کی ڈگی کھولی اور گھر کا دروازہ کھولنے کے لئے رخ موڑا، این اُسی وقت عرفات گھر کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔۔۔ وہ ٹھٹھک کر پیچھے ہوئی۔

"تم یہاں کس خوشی میں آئے ہو؟ "

ناجانے کیوں مگر وہ جب بھی اُسے دیکھتی تھی۔ اس کا موڈ خودبخود خراب ہو جاتا تھا۔

"میری سگی خالہ کا گھر ہے۔ صرف خوشی میں نہیں دکھ میں بھی آنے کا پورا حق ہے مجھے۔۔۔آپ کو کوئی اعتراض؟؟ "

اس نے لبوں پر تپانے والی مسکراہٹ سجا کر کہا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر لاشعوری طور پر ڈگی کی جانب بڑھا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔۔۔میں خود اُٹھا لوں گی۔"

جانان نے برہمی سے اُسے ٹوکا۔

"میں تمہاری مدد اس لئے نہیں کر رہا کیونکہ تمہیں ضرورت ہے یا پھر میں تمہیں کمزور سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے کررہا ہوں کیونکہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ نرمی سے کہتا راشن کی تھیلیاں اُٹھائے اندر جانے لگا۔

"تمہیں واقعی لگتا ہے تمہاری ان حرکتوں سے میں متاثر ہو جاؤں گی؟ "

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

جانان نے سینے پر بازوں لپیٹتے ہوئے سرد مہری سے اُسے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔ عرفات کے چہرے پر یاسیت بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"پتھر کب متاثر ہوتے ہیں جان۔۔۔"

نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ محبت کی تپش تو پتھر کو بھی پگھلا دیتی ہے مگر اُس کے مقابل جانان سبزواری تھی۔ جو کسی طور بھی پگھلنے کو راضی نہیں تھی۔

"تمہاری پرابلم کیا ہے۔۔۔ہاں۔۔۔تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔۔"

اس کے جواب نے اُسے زچ کیا تھا۔

"تم سے دستبردار ہونا میرے بس میں نہیں ہے۔"

وہ اپنی بے بسی پر ہنسا۔ اُس کے انداز میں کچھ تھا۔ جس نے جانان کو خاموش رہنے پر مجبور کردیا تھا۔ شاید وہ بے بسی تھی۔ عرفات بیگ کی بے بسی۔۔۔جو ہر بار جانان کے لبوں پر قفل ڈال دیتی تھی۔

عرفات مزید کچھ بھی کہے بغیر اس کے برابر سے نکل کر گھر کے اندر چلا گیا۔ وہ اُسے سخت نا پسند کرتی تھی۔ ناپسندیدگی شاید بہت چھوٹا لفظ تھا۔ اس کے احساس کو نام دینے کے لئے مگر اس کی باتیں پتا نہیں کیوں لیکن عرفات کی باتیں ہر بار اس کے دل میں ایک عجیب سا احساس جگاتی تھیں۔ وہ اس احساس کو پہچاننے سے قاصر تھی مگر وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ وہ احساس کچھ بھی تھا مگر محبت کا نہیں تھا۔ جانان سبزواری عرفات بیگ کے لئے کبھی کوئی ایسا جذبہ محسوس ہی نہیں کرسکتی تھی۔ یہ ناممکن تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

☆...☆...☆

ڈیفینس آفیسرز ہاؤسنگ سوسائٹی میں موجود اس درمیانے درجے کے بنگلے کے ڈرائنگ روم کو اے سی نے ٹھنڈک بخش رکھی تھی۔ بینش سکندر اور زرمینہ سبزواری ایک ہی صوفے پر ساتھ ساتھ بیٹھی تھیں۔

"جان آج بھی نہیں آئی بھابھی؟"

وہ مایوس ہوئی تھیں۔

"مجھ سے اپنی بیٹی کے زخم نہیں کریدے جاتے بینش آپا۔ وہ باقی لوگوں کی طرح مضبوط نہیں ہے۔ اُسے اپنے اعصاب پر قابو پانے کے لئے دوائیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ ماضی یاد نہ کرے اس لئے صبح سے شام خود کو مصروف رکھتی ہے۔"

وہ ایک ماں کی طرح تکلف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دوٹوک بولیں۔ ان کی آنکھوں میں تیرتی نمی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئیں۔

"میرے ذہن میں کچھ ہے بھابھی ۔۔۔۔ "

ابھی بات ان کے منہ میں تھی کہ عین اُسی وقت بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ بیلا ہال میں کام کر رہی تھی۔ فوراً دروازے کی جانب دیکھا۔ ذوالکفل تھکا تھکا اندر داخل ہوا تھا۔ بینش اور زرمینہ نے بروقت ڈرائنگ روم کے دروازے کی جانب دیکھا۔ وہ ہال میں کھڑا تھا۔ بیلا سے بات کر رہا تھا۔ اس کی پشت دونوں کی طرف تھی۔

بیلا نے ڈرائنگ روم کی جانب اشارہ کیا تو وہ فوراً پلٹا پھر لمحے بھر کے لئے ٹھٹکا۔ زرمینہ سبز واری حیرت سے، محبت سے، شفقت سے اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ دونوں کی نظریں براہِ راست ٹکرائیں۔ چند لمحے، چند سیکنڈز ۔۔۔ ذوالکفل نے نظریں جھکا دیں۔ مگر زرمینہ اُسے دیکھتی رہیں، گویا اس کے سلام کی منتظر تھیں۔ وہ چوکھٹ پہ رُکا بلند آواز میں سلام کیا۔

پولیس یونیفارم پشت سے ہلکا سا گیلا تھا۔ بال ہلکے سے بکھرے ہوئے تھے 'اور دھوپ کی تمازت سے چہرہ ٹمٹمایا ہوا لگ رہا تھا۔ ماتھے پر ذرا پسینہ بھی تھا۔ زرمینہ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ بینش کو خاموشی سے دیکھا۔ وہ ان کے تاثرات دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

ذوالکفل ان کی نگاہوں سے تذبذب کا شکار ہوا تھا۔ بمشکل مسکراتے ہوئے اس نے ماں کو دیکھا۔

"ذوالکفل کیسے ہو بیٹا تم؟ "

نہایت ہی شفقت سے پکار کر اُنہوں نے سر پر پیار کرنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"میں ٹھیک ہوں مامی۔ "

سر جھکاتے ہوئے اس نے مختصر کہا۔

"امی میں آتا ہوں۔"

رخ دوبارہ دروازے کی طرف موڑا، پیچھے سے زرمینہ نے اسے پھر پکارا۔

"تھوڑی دیر بیٹھو تو سہی مامی کے پاس"

اس کے دل کی رفتار ہلکی ہوئی۔ وہ پلٹا چہرہ سپاٹ تھا۔ بینش کو اس کا رویہ کھٹکا۔

"وہ ابھی آیا ہے نہ باہر سے اس لئے تھک گیا ہے۔ "

کہتے ہوئے رخ ذوالکفل کی طرف موڑا۔

"جاؤ تم فریش ہو جاؤ پھر ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ "

وہ خوشگواری سے مسکرائیں تو زرمینہ بھی مسکرائیں۔ وہ فوراً اوپر اپنے کمرے میں آیا۔ اپنی پشت پر دروازہ بند کیا۔ وہ سارے مناظر آنکھوں کے سامنے چلنے لگے۔ وہ کچھ دیر بستر پر گھٹنوں پر

کہنیاں جمائیں سر جھکا کر زمین کو تکتا رہا۔ نیچے سب اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اپنے رویے سے زرمینہ مامی پر غلط تاثر نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ جو کچھ اُسے معلوم تھا۔ وہ سالوں سے اس کے اندر دبا پڑا تھا۔ زرمینہ اس بات سے لاعلم تھیں کہ ان کے کمزور لمحوں میں کئے جانے والے گناہوں کا کوئی اور بھی گواہ موجود ہے۔

ذوالکفل کے کمرے سے نکل کر دوبارہ نیچے آؤ تو بینش خوشی خوشی زرمینہ کو کچھ کہہ رہی تھیں۔ جو صوفے پر بیٹھیں زرمینہ مسکرا کر سن رہی تھیں۔ باہر بیلا پُھرتی سے کھانے کی ڈشز ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

"باجی کھانا لگ گیا ہے آجائیں "

بیلا نے ڈرائنگ روم کے اندر جھانک کر کہا تو بینش صوفے سے کھڑی ہو گئیں۔

"آئیں بھابھی کھانا کھاتے ہیں۔ ویسے تو میں نے جان کے لئے خاص طور پر بریانی بنوائی تھی۔ مجھے یاد ہے اُسے بریانی کتنی پسند ہے۔ "

آگے پیچھے چلتے وہ دونوں لاؤنج میں آئے۔ ذوالکفل اپنی قمیض کے آستین موڑ کر اوپر کرتا ' سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں بھابھی، جان کے حصّے کی بریانی میرا ذوالکفل کھا لے گا۔ آخر بریانی اُس کو بھی تو پسند ہے "

اُنہوں نے ہنس کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرایا تھا۔

بینش سکندر ایک کے بعد ایک ڈش زرمینہ کی پلیٹ میں ڈال رہی تھیں اور ذوالکفل جلے پاؤں کی بلی کی طرح ان کی محبتیں زرمینہ مامی پر نچھاور ہوتے ملاحظہ کر رہا تھا۔ جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ ان کا سارس دھیان مامی کی جانب تھا۔

"یہ عورت بے وفا ہے۔ اپنی بھابھی سے ملتے ہی اپنے سگے بچے کو بھول گئیں۔"

بریانی پر رائتہ ڈال کر اس نے کن آکھیوں سے بینش سکندر کو دیکھا۔ جنہوں نے اب تک ایک بھی ڈش ذوالکفل کو آفر نہیں کی تھی۔

"غجب بے عزتی ہے۔ "

اس نے چمچہ منہ میں رکھ کر ایک اور تبصرہ کیا۔

"بھابھی میں نے جان کے بارے میں کچھ سوچا ہے اگر آپ اجازت دیں تو کہہ دوں۔ "

زرمینہ نے ہاتھ روک کر بینش کی طرف دیکھا۔ اُنہیں اندازہ تھا۔ وہ کیا کہیں گی لیکن پھر بھی استفسار کیا۔

"کیا سوچا ہے؟"

بینش نے ایک نظر دائیں جانب بیٹھے ذوالکفل کو دیکھا۔ اُس کا دھیان کھانے پر تھا۔

"میں جان کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔ "

چاول کے دانے ذوالکفل کی حلق میں پھنس گئے۔ یہ سن کر اُسے زور دار پھندا لگا تھا۔ آنکھیں آکسیجن کی زیادتی سے لال ہو گئیں۔ کھانستے کھانستے منہ کے چاول باہر آگئے تھے۔ ایک سانس

میں بم پھوڑتے ہوئے اُنہوں نے ذوالکفل سے پانی بھی نہیں پوچھا تھا۔ وہ منہ کھولے اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔ کھلے منہ سے بریانی کے بچے کُچے چاول نظر آرہے تھے۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ زرمینہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"بتائیں بھابھی پھر آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟ "

ذوالکفل کے تاثرات دیکھ کر وہ گڑبڑا گئیں۔ اے سی کے باوجود ذوالکفل کے ماتھے پر پسینا آگیا تھا۔

"بینش آپا مجھے کیا اعتراض ہو گا مطلب آپ ذوالکفل سے پوچھ لیں۔ "

جلدی سے گلاس میں پانی بھر کر سامنے شاک کی حالت میں بیٹھے ذوالکفل کی جانب بڑھایا۔

"بیٹے پانی پی لو "

بے جان مجسمہ کرنٹ کھا کر ہوش میں آیا تھا۔ اپنے سامنے پانی کے گلاس کو دیکھا پھر اس کی نظر نے گلاس سے زرمینہ مامی کی شکل تک کا سفر طے کیا۔ وہ حیران پریشان سی نظر آرہی تھیں۔ وہ بگڑے تنفس اور چہرے کے تاثرات کو نارمل کرتا بمشکل مسکرایا تھا۔

نیپکن سے منہ پونچھ کر گلاس لبوں سے لگایا۔ گلے میں اٹکتے چاول معدے میں اُتر گئے۔

"مجھے اپنے بیٹے پر پورا بھروسہ ہے بھابھی۔ وہ کبھی میرے فیصلے کی تردید نہیں کرے گا۔ "

بینش نے سالوں سال پرانا بلیک میلنگ کا حربہ استعمال کیا۔

"آپ کی سوچ ہے بینش بیگم۔۔۔۔ میں تردید نہیں آپ کے خلاف مورچہ نکالوں گا۔ "

پانی کا ایک اور گھونٹ لے کر اُس نے دل ہی دل میں کہا پھر تھوڑا اور مسکرایا۔ ذوالکفل کی مسکراہٹ دیکھ کر زرمینہ کے کندھے ڈھلکے۔ ماتھے کے بل بھی سمٹ گئے تھے۔

"ذوالکفل کو کوئی اعتراض نہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو گا بھابھی۔ جان تو آپ ہی کا خون ہے۔۔۔ لیکن آپ کو پتہ ہے نہ"

وہ کہتے کہتے رُک گئیں۔ بینش نے پُراعتمادی سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"سب کچھ اچھا ہو گا بھابھی آپ بے فکر رہیں۔ "

ان کا اعتماد دیکھ کر زرمینہ کو ڈھارس ملی۔

"وہ تو وقت بتائے گا بینش بیگم"

نند بھابھی کا پیار دیکھ کر ذوالکفل کی تو جیسے آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اس نے شکوہ کن نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔ جو اُسے مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

☆...☆...☆

اسٹیشن کے کھلے صحن میں ایک قطار میں چار لاک اپ تھے۔ چوتھے لاک اپ سے عاقب کی دل خراش چیخیں اور التجاؤں کی آوازیں اسٹیشن کی دوسری منزل تک سنائی دے رہی تھیں۔

"صاحب میں نے کیا کیا ہے صاحب مجھے کیوں مار رہے ہو۔ "

وہ ذوالکفل کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا مگر آج وہ سننے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا۔ ڈنڈے سے اندھا دُھن ضرب لگائی۔

"سالے ہٹا کٹا جوان مرد ہونے کے باوجود اپنی بہن سے غلط کام کرواتا ہے۔ "

دوسرا ڈنڈا بھی درمیان سے ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے رک کر بگڑے تنفس کے ساتھ پلٹ کر عامر کو دیکھا۔

"دوسرا ڈنڈا لے کر آؤ"

"بس کریں سر، مر جائے گا۔"

عامر نے اس شخص کے لہو لہان وجود کو دیکھا۔ سفید چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔

"تو کیا اس کو بچا کر آرتی اتارنی ہے تم نے؟"

غصے سے عامر کو ٹوکا۔ ناجانے وہ کدھر کا غصہ کدھر اُتار رہا تھا۔ عامر خاموشی سے لاک اپ سے نکل گیا۔ ذوالکفل نے لب بھینچ کر اس شخص کو دیکھا جو دیوار سے چھپکلی کی طرح چپکا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

جنوری کا موسم تھا۔ مگر پھر بھی گرمی عروج پر تھی۔ ذوالکفل نے شرٹ کے دو بٹن کھول دیئے۔ ماتھے سے بہتا پسینا کان کی لو سے پھسلتا ہوا گردن سے شرٹ کے اندر بہہ رہا تھا۔

چند پل گزرنے کے بعد عامر دوبارہ لاک اپ میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں تین ڈنڈے تھے۔ جنہیں دیکھ کر عاقب خوف کے مارے اونچا اونچا رونے لگا۔

"اےےے سائرن بند کر اپنا"

غراتے ہوئے عاقب کو تنبیہ کی ۔۔۔

ذوالکفل کی زوردار مار کھا کر جسم کا انگ انگ پوری شدت سے دُکھ رہا تھا۔ پھر بھی ضبط سے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی سسکیوں کا بمشکل گلا گھونٹا۔ یہ منظر دیکھ کر عامر نے ہونٹ آپس میں دباتے ہوئے اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ بچپن میں ماں کی مار کھانے کے بعد مزید ان کی مار سے بچنے کے لئے بچہ جس طرح اپنی سانس روک کر اپنی سسکیاں دباتا ہے۔ عاقب بھی اس وقت یہی کر رہا تھا۔

ذوالکفل نے باری باری یونیفارم کی آستینوں کو کہنیوں تک چڑھایا۔ کرسی کھینچ کر سیدھا اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

مقابل تھوڑا اور سمٹ کر پیچھے ہوا تھا۔ ذوالکفل اس پر ذرا سا جھکا۔ خون رنگ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑتے ہوئے غرا کر بولا۔

"آج کے بعد تو نے اپنی بہن سے غلط کام کروایا تو یاد رکھنا"

انگشت شہادت کا رخ اس کی طرف تھا۔ جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ شخص ذوالکفل کے پیروں سے لپٹ گیا تھا۔

"خدا کی قسم جو میں نے اب ایسی حماقت کا سوچا بھی صاحب۔ آج سے عاقب سدھر گیا۔ "

ذوالکفل کی ماتھے پر پڑیں سلوٹیں سمٹیں مگر پوری طرح سے نہیں۔

"عامر آج کے بعد اس پر نظر رکھنا اور وقتاً فوقتاً اس کے گھر جا کر مریم کی خیر خیریت بھی لیتے رہنا۔ "

چہرہ دوبارہ عاقب کی جانب موڑا، آنکھوں میں سخت وارننگ تھی۔ گہری سانس لیتے ہوئے۔ اس نے کرسی کھسکائی اور لاک اپ سے نکل گیا۔

راہداری سے گزرتے ہوئے چند کانسٹیبل نے رک کر اُسے سلام کیا تھا۔ جس کا اشارے سے جواب دیتا وہ فوراً نکل گیا۔

"ڈی ایس پی صاحب کا غصہ بہت خراب ہے۔ پہلے صرف سُنا تھا۔ آج دیکھ بھی لیا۔"

کانسٹبل نے پان منہ میں رکھتے ہوئے دوسرے کانسٹبل سے مدھم آواز میں کہا تھا۔

☆...☆...☆

ریم بیگ کا آفس سفید روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ٹیبل پر چند آرٹیکلز رکھے تھے۔ وہ اپنی ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے۔ کرسی کو دائیں بائیں ہلارہی تھی۔ ساتھ میں ایک آرٹیکل بھی پڑھ رہی تھی۔ جس کی ہیڈلائن کے ٹھیک نیچے شاہنواز بیگ اور سارہ بیگ کی تصویریں موجود تھیں۔ ان تصویروں میں وہ دونوں کافی جوان نظر آرہے تھے۔

یہ آرٹیکل 1995 میں بلقیس بانو نام کی جرنلسٹ نے لکھا تھا۔ وہ اس دور کی نامور جرنلسٹ تھیں۔ لیکن پھر اچانک جیسے وہ منظر عام سے غائب ہوگئیں۔ نامعلوم ذرائع سے پتا چلا تھا کہ ایک روڈ ایکسڈنٹ میں معذور ہو جانے کے بعد وہ گمنامی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ کامیابی کے دو مضبوط پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو وہ، جہاں روشنی ہی روشنی ہوتی ہے۔ یہ وہ دنیا ہوتی ہے۔ جہاں زمانہ آپ کے قدموں کے نیچے ہوتا ہے۔ اور دوسرا پہلو سیاہ اور تاریک ہوتا ہے۔

اس اندھیر دنیا میں لوگ تو کیا۔ آپ خود بھی خود کو پہچان نہیں پاتے ہو۔ آرٹیکل کو ٹیبل پر اُچھالتے ہوئے۔اس نے دوسرے آرٹیکل کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

وہ بھی سارہ بیگ پر لکھا گیا تھا۔ دوسرا، تیسرا اور چوتھا۔۔۔ ہر ایک کا موضوع ایک ہی تھا۔ سارہ بیگ ماضی میں اس پارٹی کا ایک متنازعہ موضوع رہ چکی تھیں۔ یہ تمام آرٹیکلز الگ لگ وقتوں میں شاہنواز بیگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی غرض سے لکھے گئے تھے۔

الیکشنز کے دوران سیاستدانوں کے مخالفین گمراہ کن معلومات اور منفی کیمپین کے ذریعے ان کے ووٹ بینک کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جس میں سب سے پہلے سیاستدانوں کی ذاتی زندگی اور گھر والوں کو گھسیٹا جاتا ہے۔ سارہ بیگ پر لکھے گئے یہ منفی آرٹیکلز پڑھ کر ریم کو کچھ حیرت نہیں ہوئی۔ لیکن یہاں قابل غور بات یہ تھی کہ ان میں سے کچھ آرٹیکلز تب لکھے گئے تھے۔ جب وہ شاہنواز بیگ کی پارٹی میں بس ایک کیمپین مینجر تھیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ریم نے بیزاری سے ٹیبل پر بکھرے آرٹیکلز سمیٹے، آرٹیکلز اٹھاتے ہوئے۔ ایک میگزین زمین پر گر گئی۔ وہ زچ ہوئی۔ زمین پر جھک کر میگزین اٹھاتے ہوئے۔ وہ کرنٹ کھا کر ایک دم سے سیدھی ہوئی۔

یہ والا آرٹیکل اس کی نظر سے کیسے بچ گیا تھا۔ پورا آرٹیکل پڑھنے کے بعد اس نے نیچے نام پڑھا۔ یہ آرٹیکل بھی بلقیس بانو نامی جرنلسٹ نے لکھا تھا۔ اس کے ماتھے پر شکنوں کا جال گہرا

ہوا۔ اس نے وہ تمام آرٹیکلز الگ کئے۔ جو بلقیس بانو نے لکھے تھے۔ اور اُنہیں اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال کر آفس سے نکل گئی۔ جاتے ہوئے راہداری میں صدیق کھڑا اپنے کولیگ سے بات کر رہا تھا۔ ریم کو اس کی جانب آتا دیکھ اس نے فٹافٹ اپنی بات مکمل کی اور رخ ریم کی جانب موڑا ۔۔۔۔ ہلکا سا اس کے جانب جھک کر مدھم آواز میں کچھ کہا۔ جِسے سن کر صدیق نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ جواباً ریم نے اس کی جانب دیکھا اور لفٹ لابی کی جانب بڑھ گئی۔

☆...☆...☆

علی جبران اور نیلوفر علی نامور نیوز چینل کے اسٹوڈیو میں موجود صوفے پر براجمان تھے۔ جبکہ ہوسٹ ان کے عین سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چند کارڈز تھے۔ جس کی مدد سے وہ بڑی فراوانی سے ایک کے بعد ایک سوال پوچھ رہا تھا۔

علی جبران ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور روائیتی سیاستدان کے حُلیے میں تھے۔ جبکہ نیلوفر نے نیلے رنگ کی سادہ اور سوبر سی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ ڈائی شدہ بالوں کو جوڑے میں مقید کرکے ڈوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ اور ساتھ میں آف وائٹ کلر کی شال بھی لے رکھی تھی۔

اسٹوڈیو کے تمام کیمروں کا رُخ ان کی جانب تھا۔ چہرے کے تاثرات سے لیکر آنکھوں کے بدلتے رنگ کو بھی باریکی سے کیپچر کیا جا رہا تھا۔

"سر سُننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آپ خود اپنے بیٹے داور کے قتل کیس کو اس لئے بند نہیں ہونے دیا کیونکہ اس میں آپ اور آپ کی پارٹی کا ہی فائدہ تھا"

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

کمیرہ ہوسٹ کے چہرے سے گھومتا ہوا علی جبران پر آکے ساکن ہوگیا۔

"اس بات سے ہی اندازہ لگا لیں کہ ایک سیاستدان ہونا جلتے انگاروں پر چلنے کے مترادف ہے۔ "

علی جبران یاسیت سے مسکرائے۔

"میں ایک سیاستدان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باپ بھی ہوں۔ کیا کبھی کوئی باپ اپنے بیٹے کی موت کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ "

ان کی آنکھوں میں بے ساختہ نمی اُبھری۔

شاہنواز بیگ اپنے آفس میں پرسکون سے بیٹھے لیپ ٹاپ اسکرین پر علی جبران کا لائیو انٹرویو دیکھ رہے تھے۔ سامنے کرسی پر ان کا پی اے خالد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں نے خاموش نظروں کا تبادلہ کیا۔ چہرے پر طنزیہ سے تاثرات موجود تھے۔

"جس دن سے میرا بیٹا داور اس دنیا سے گیا ہے۔ مجھے ہی معلوم ہے کہ ایک ایک دن مجھ پر کتنا بھاری گزرا ہے "

نیلوفر نے غیر آرامدہ ہوکر پہلو بدلا 'چہرے کے نقوش تن گئے۔

"میں مسکرانا بھول چکا ہوں۔ میں مصلے پہ بیٹھا اللہ سے یہی پوچھتا رہتا ہوں کہ آخر مجھ سے کونسا گناہ سرزد ہوا تھا۔ جو مجھے اولاد کی آزمائش سے دو چار کیا۔ "

ان کا لہجہ دل خراش تھا۔ وہ واقعی دکھی لگ رہے تھے۔

"سر اگر آپ کو اپنے بیٹے کے جانے کا اتنا ہی غم تھا تو آپ نے نیو ایئر پر اپنے دوستوں اور رشتےداروں کو پرائیویٹ پارٹی کیوں دی تھی۔"

ہوسٹ کا چہرہ سپاٹ تھا جبکہ علی جبران پرسکونی سے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ہلا رہے تھے۔

"اتنے ماہ گزر گئے۔ الیکشن قریب ہیں اور میں نے ایک بھی پبلک اپیرنس نہیں دی۔ آج بھی آپ لوگوں کی ریکوئسٹ پر میں ہمت کرکے آگیا ورنہ مجھ میں اتنا دم خم نہیں کہ اپنے دوستوں کو پارٹیاں دیتا پھروں۔ "

وہ آہستہ مگر مضبوط لہجے میں بولے۔

"واقعی سر تو پھر یہ کیا ہے؟ "

پیچھے دیوار پر بڑی سی اسکرین جسپا تھی۔ جس پر نیو ایئر پارٹی کی لیک فوٹیجز بریکنگ نیوز کے طور پر دکھائی جا رہی تھی۔ علی جبران کے چہرے کے تمام نقوش تن گئے۔ اس نے حیرت اور خفگی سے کیمرہ کے پیچھے کھڑے اپنے سیکرٹری تنویر کی جانب دیکھا۔ جس کے پہلے کی ہوائیاں اڑ رکھی تھیں۔

پارٹی میں کسی میڈیا پرسن یا جرنلسٹ کو انوائیٹ نہیں کیا گیا تھا۔ بہت خاص اور قریبی لوگ مدعو تھے۔

"جی علی جبران صاحب اب آپ کیا کہیں گے، عوام سننے کو بے قرار ہے۔"

ہوسٹ نے کمینیت سے مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ اسٹوڈیو میں سناٹا چھا گیا۔ ایک سیکنڈ، پانچ سیکنڈ، آدھا منٹ ۔۔۔۔ !!علی جبران نے گلا کھنکارا پھر مظلومیت سے مسکرائے۔

"یہ ویڈیو سو فیصد نکلی ہے۔ "

"میں نیشنل ٹیلیویژن پر دعویٰ کر سکتا ہوں کہ یہ ویڈیو نکلی نہیں ہے سر "

ہوسٹ نے تڑخ کر کہا۔ علی جبران کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔

پھر سے خاموشی ۔۔۔۔

اپنے آفس میں بیٹھے شاہنواز بیگ اور خالد صاحب کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ شاہنواز بیگ نے مسکراہتے ہوئے اپنی پاور سیٹ سے آرام سے ٹیک لگایا۔ اندر ہی اندر ریم کی محنت کو سراہا بھی تھا۔ وہ ان کی بیٹی نہیں تھی مگر اس کا دماغ ان کی طرح شاطر تھا۔ اور یہ بات واقعی قابلِ تعریف تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"صرف نیو ایئر پارٹی ہی نہیں بلکہ داور کے انتقال کے اگلے دن سے ہی آپ نے اپنے ٹیوٹر کے ذریعے لوگوں سے بالواسطہ طور پر آپ کو اور آپ کی پارٹی کو سپورٹ کرنے کو بھی کہا تھا۔ اور آپ کے اس کاروباری رویے کی وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کافی تلخیاں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔"

ہوسٹ نے نیلوفر کی جانب دیکھا۔ اسکرین پر ان کے کئے گئے تمام ٹیوٹر پوسٹس ایک کے بعد ایک دکھائی دے رہے تھے۔ جن کو پڑھ کر یہی لگتا تھا کہ وہ داور کی موت سے بھرپور فائدہ سمیٹ رہے ہیں۔

"داور کے انتقال کے بعد میں کافی دکھی ہوگئی ہوں اور اکثر بیمار رہتی ہوں۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں اور میں اپنے ذاتی رشتے کے حوالے سے نیشنل ٹیلیویژن پر کوئی کمنٹ نہیں کرنا چاہتی۔"

کافی نپا تلا اور لیا دیا سا انداز تھا۔ علی جبران کے چہرے پر باقاعدہ غصہ نظر آنے لگا۔ نیلوفر بھی لمحے بھر کے لئے خاموش ہوگئیں۔ مگر ہوسٹ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ وہ ایک کے بعد ایک تلخ سوال ان کی جانب اچھالتا رہا۔ سوالوں کی نوعیت سے وہ یہ بات سمجھ گئے تھے کہ یہ پورا انٹرویو اسکرپٹڈ تھا۔

شاہنواز بیگ نے لیپ ٹاپ کی اسکرین گرا دی چہرے پر خوشگواریت نظر آرہی تھی۔

☆...☆...☆

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

گارڈ نے ریم کے لئے شیشے کا دروازہ کھولا۔ وہ آنکھوں پر لائٹ براؤن گوچی کا شیڈ گراتے ہوئے باہر آئی۔ سامنے اس کی گاڑی اور ڈرائیور دونوں اس کے منتظر کھڑے تھے۔ اُسے دیکھتے ہی ڈرائیور الرٹ ہوگیا۔ وہ گاڑی کی جانب جیسے ہی بڑھنے لگی کسی نے تھوڑے فاصلے سے اُسے مخاطب کیا تھا۔

"مس ریم بیگ "

اس نے گردن ترچھی کرکے دیکھا۔ سامنے ذوالکفل کھڑا تھا۔ پیچھے پولیس موبائل بھی موجود تھی۔ ریم نے آہستگی سے آنکھوں سے شیڈ اُتار کر اُس کو آنکھ سکوڑ کر سر سے پاؤں تک دیکھا۔ شکل جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ شاید اس نے پہلے بھی اُسے کہیں دیکھا تھا مگر یاد نہیں آرہا تھا کہ کہا دیکھا تھا۔

"آپ کی تعریف؟ "

ہوا سے اس کے سیاہ سلکی بال اڑنے لگے۔

"ڈی ایس پی ذوالکفل سکندر خان "

اس نے بھی آنکھوں سے چمچہ ہٹا کر سنجیدگی سے اپنا تعارف کروایا۔ ریم کی آنکھوں میں استفسار اُبھرا۔

"میں داور علی قتل کیس کے بارے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ "

فوراً مدعے کی بات بیان کی۔۔۔۔ جس شخص نے آپ کا دل دکھایا ہو۔ اس شخص کا ذکر بہت تکلیف دیتا ہے۔ ریم نے بنا کچھ کہے سر اثبات میں ہلا دیا۔ البتہ داور کا نام سن کر چہرے کا سارا نور نچڑ گیا تھا۔

"داور کے ساتھ آپ کا تعلق کیسا تھا؟ "

"تعلق ہوتا تو بتاتی۔ "

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

لہجے میں نمی سی اُتری۔ ذوالکفل نے استفسار بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"میں نے ڈیڈ کے کہنے پر منگنی کی تھی۔ "

"Ooh you mean marriage for business benefits"

ذوالکفل نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔

"ہمم "

جواباً ریم بس سر ہلاتی رہ گئی۔

"داور کے کسی بھی رویے سے مجھے ایسا محسوس نہیں ہوا کہ وہ مجھے چاہتا ہے۔ البتہ اس نے مجھ پر پہلے ہی یہ بات واضح کردی تھی کہ وہ یہ شادی علی جبران کے دباؤ میں آکر کر رہا ہے۔ "

لمحے بھر کی خاموشی

"جب آپ کو معلوم تھا کہ وہ آپ میں دلچسپی نہیں رکھتا ہے تو آپ نے شادی کے لئے ہاں۔۔۔۔"

"اس کا جواب میں آپ کو شروع میں ہی دے چکی ہوں۔"

ذوالکفل نے سرسری انداز میں مسکرا کر اس کی پشت پر کھڑی اس بلند قامت عمارت کو دیکھا۔ پھر ایک قدم قریب آکر کر ریم کی آنکھوں میں جھانکا۔

"داور کو پسند نہیں کرتی تھیں آپ ۔۔۔مس۔۔ریم؟"

ریم کو دل کے مقام سے سرخ سیال بہتا محسوس ہوا۔ جو بے حد گرم تھا۔ چمڑیوں کو جھلسا دینے والا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

"خیر "

ریم کی آنکھوں میں اٹھتا کرب دیکھ کر ذوالکفل نے پہلو بدلا۔

"آج کل آپ علی جبران کے خلاف ہی پروپیگنڈا کرتی نظر آرہی ہیں۔ کیا واقعی انسان مرجائے تو محبت بھی مر جاتی ہے؟ "

"مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا ڈی ایس پی صاحب اور جہاں بات ہے علی جبران کے خلاف پروپیگنڈا کی تو سیاست ایک دلدل ہے۔ کسی کے دامن پر کیچڑ اُچھالنے کے لئے ہاتھ تو گندے کرنے پڑتے ہیں۔ "

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

ریم کی آنکھیں، اس کا انداز اور آواز بلکل بدل گیا تھا۔ ذوالکفل نے شانے اُچکائے۔ اس نے ریم بیگ سے داور کے متعلق مزید چند ضروری سوالات پوچھے تھے۔ ریم، داور کے بارے میں کافی کچھ جانتی تھی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ گفتگو کرنے کے بعد ذوالکفل نے ریم کو رخصت کیا۔ کچھ دیر وہی کھڑا وہ پرسوچ نگاہوں سے سڑک کو دیکھتا رہا تھا۔

چہرے پر اچھی خاصی بدمزگی تھی۔ اس نے چشمہ دوبارہ آنکھوں پر ٹکایا اور پولیس موبائل میں بیٹھ گیا۔

☆...☆...☆

کالونی کے گھر کے باہر کتوں اور بلیوں کی دعوت کا خاص احتمام کیا گیا تھا۔ جانان نے خاص طور پر ان کے لئے گھر پر کھانا تیار کیا تھا۔ کچھ پڑوسی اپنے گھر کی کھڑکیوں اور چھتوں سے یہ منظر منہ بنا کر دیکھ رہے تھے۔ گلی میں کتے اور بلیوں کی بھیڑ لگی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ولیمے کی تقریب چل رہی ہے۔ جانان کے گھر کے باہر ایک قطار میں مٹی کے بڑے اور چھوٹے تھال رکھے ہوئے تھے۔ جِسے وقتاً فوقتاً وہ کھانے سے بھر رہی تھی۔

"یہ کیا تماشا لگا کر رکھا ہے لڑکی ان جنگلی کتوں کے ڈر سے ہمارے بچے گلی میں کھیل بھی نہیں پارہے ہیں۔ "

پڑوس میں رہنے والی ایک عورت نے اپنے گھر کے دروازے سے سر نکال کر اُونچی آواز میں خفگی سے کہا۔ ان کی عمر تقریباً پچاس کے قریب تھی اور ان کا سب سے چھوٹا بیٹا گیارہ سال کا تھا۔

"آپ کے بچے گھر میں بند ہیں۔ تبھی تو یہ بے زبان جانور سکون سے آج کھانا کھا رہے ہیں۔ ورنہ آپ کے بچوں نے ان کتوں سمیت پوری کالونی کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ "

جانان نے چمچہ تھال میں الٹتے ہوئے تڑخ کر جواب دیا۔ اس کے دوٹوک انداز پر وہ سلگ کر رہ گئی تھیں۔

"اے لڑکی ہوش میں تو ہو۔ یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔ "

آنٹی کا ایک پاؤں اب گھر کے اندر جبکہ دوسرا گلی میں تھا۔

"وہی جو آپ نے تھوڑی دیر پہلے کی۔ "

"شرم آنی چاہئے، تمہیں بڑوں سے بات کرنے کی ذرا بھی تمیز نہیں ہے۔ بڑوں کی نا فرمانی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ کم از کم پڑوسیوں کے آداب و حقوق کا ہی خیال کرلو؟"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

جانان نے گھور کر اس عورت کے حلیے پر نظر ڈالی۔ اُنہوں نے بڑا سا سفید ڈوپٹہ نماز کے انداز میں اوڑھ رکھا تھا۔

"پچھلے مہینے آپ کی بیٹی کی شادی تھی نہ؟ جب آپ لوگ اونچی آواز میں گانے بجا کر اپنی خوشیاں منارہے تھے۔ تب آپ کو اپنے پڑوسیوں کے آداب و حقوق کا خیال نہیں آیا تھا؟۔

کالونی میں کتنے بزرگ رہتے ہیں۔ جنہیں دل کا مرض ہے۔ اونچے شور سے ان کی طبعیتیں خراب ہو جاتی ہیں۔ تب آپ نے ان کے حقوق کا کیوں نہیں سوچا آنٹی۔ "

گلی سے گزرتے لوگ رک کر تماشہ دیکھنے لگے۔ وہ عورت گومگو جانان کا منہ تکتی رہ گئیں۔ جیسے سارے الفاظ کھو گئے ہو۔

"تبلیغ کی شروعات' عمل 'سے کرنی چاہئے۔ باتیں تو کوئی بھی کرلیتا ہے۔ "

مدھم آواز میں اس ننگی حقیقت سے تمام پردے گراتے ہوئے وہ اپنا رُخ گھر کے اندر موڑ گئی۔ صحن میں کھڑی زرمینہ دونوں کی بحث سن چکی تھیں۔ اُنہوں نے جانان کو افسوس سے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"غلط بات ہے جان۔"

"اس سے زیادہ نہیں جو آپ کی پڑوسن کر رہی تھیں۔"

جانان نے خالی پتیلا صحن کی سیڑھی پر رکھا۔

"سالوں کی محلے داری ہے بیٹے اور وہ تم سے عمر میں بھی بڑی ہیں۔ نمازی پرہیز گار خاتون ہیں۔ تمہیں اس طرح سے بات نہیں کرنی چاہئے تھی جانان۔ "

وہ گہری سانس لیکر سیدھی ہوئی۔ بازوں سینے پر لپیٹے وہ کچھ پل زرمینہ کو چپ چاپ دیکھتی رہی پھر آہستگی سے بولنا شروع کیا۔

"بنی اسرائیل وہ قوم تھی۔ جن کے لئے اللہ نے آسمان سے من و سلویٰ اتارا تھا۔ ان کے پاس توریت جیسی کتاب تھی۔ موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر تھے۔ لیکن پھر بھی وہ قوم ذلیل و خوار ہوئی اور آخرت تک خوار ہوتی رہے گی، پتا ہے کیوں؟"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ سوال نہیں کر رہی تھی۔ زرمینہ نے شانے اچکائے۔" کیونکہ ان پر جو قرآن کی آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ وہ قوم اُن آیتوں کا مطلب بدل دیتے تھے۔ وہ قوم اپنی مطلب کی آیتوں پر ایمان لے آتے تھے اور جو آیتیں ان کے فیور میں نہیں ہوتی تھیں اُنہیں چھوڑ دیتے تھے۔ "

زرمینہ سانس لینا بھول گئیں۔ ٹکٹکی باندھے بس دیکھتی گئیں۔ اس کی باتیں سُنتی گئیں۔

"آج کا مسلمان بھی یہی کررہا ہے جو سالوں سال پہلے بنی اسرائیل کی قوم نے کیا۔ یہ لوگ اسلام کی اتنی ہی پیروی کرتے ہیں۔ جتنا ان کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے۔ جہاں عمل کی بات آتی ہے۔ اپنے کمفرٹ زون سے نکل کر اپنے نفس سے جہاد کرنے کی باری آتی ہے۔ یہ لوگ ان آیتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ "

جانان نے جھک کر پتیلا اٹھایا اور اندر غائب ہوگئی۔ زرمینہ نے پلٹ کر اس کی پشت کو دیکھا پھر آہستگی سے مسکرائیں۔ فوراً اس کے پیچھے اندر آئیں۔ وہ کچن میں سنک کے سامنے کھڑی ہاتھ دھو رہی تھی۔

"بعض اوقات ہماری بات بلکل درست ہوتی ہے"

زرمینہ نے ہال میں رکھے فریج کا دروازہ کھولا اندر سے پانی کی بوتل اور بریانی کا ڈبہ نکال کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھا۔

"لیکن ہمارا طریقہ غلط ہوتا ہے۔ یہ بات تم آرام سے بھی اُنہیں بتا سکتی تھی۔"

جانان نے سنک پر ہاتھ چھاڑ کر پانی کے قطرے آزاد کئے پھر دیوار پر لٹکے ٹاول سے ہاتھ خشک کیا۔

"بیوقوفوں سے بحث کرنا بھی بے وقوفی ہوتی ہے۔ "

اس کی نظر بریانی کے ڈبے پر ٹھہر گئی۔

"اگر تمہیں کسی بات کا علم ہے تو تم پر یہ لازم ہے کہ وہ علم تم دوسروں تک پہنچاؤں جان، ورنہ قیامت کے دن اس بات کی بھی پکڑ ہوگی۔ اللہ تم سے سوال کرے گا کہ تمہیں حکمت کی بات معلوم تھی، اور تم نے وہ بات خود تک ہی محدود رکھی۔ اس کے بندوں تک نہیں پہنچائی۔ "

زرمینہ بریانی کا ڈبا کچن میں لے گئیں۔ جانان ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی تھی۔ اُنہوں نے بریانی کے ڈبے کو مائیکرو ویو میں رکھ کر ٹائمر سیٹ کیا۔ اور کچن کے چوکھٹ پر کھڑی ہو گئیں۔

"مجھے ایسا نہیں لگتا کیونکہ مجھے جو آتا ہے۔ وہ میں اپنے قلم کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتی ہوں۔ "

شان بے نیازی سے شانے اُچکائے۔

"ہاں اور وہ باتیں بھی جو تمہارے لئے گناہ جاریہ کا سبب بن سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟ "

وہ چونکی!!!

"تم نے آج تک کبھی اپنی لکھی ہوئیں تحریروں کو بیٹھ کر پڑھا ہے۔؟ کبھی اپنے لفظوں پر غور کیا ہے۔؟ تم کیا لکھ رہی ہو اور کیوں لکھ رہی ہو؟ کبھی گہرائی میں سوچا ہے۔؟

وہ سراپا سوال بن گئیں۔ جانان نے آنکھوں سے نفی کی۔

"جانان تم اپنے ناولز میں شہوت انگیز باتیں لکھتی ہو۔ ایسی باتیں جِسے پڑھ کر نوجوان نسل کے خیالات بے حیائی کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ تم اُنہیں اپنی تحریروں کے ذریعے گناہ پر اُکساتی ہو۔ "

جانان کو زور کا کرنٹ لگا اس کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

"بحیثیت ایک مصنف تم پر یہ زمہ داری ہے کہ تم اپنے قلم سے صرف اور صرف خیر لکھو۔۔۔ جو کسی اور کی زندگی اور سوچ پر مثبت اثر ڈالے نا کہ اُسے زنا اور بے حیائی کی جانب دھکیلے۔"

"آپ کچھ نہیں جانتیں امّی یہ سب تو نارمل ہے۔ آپ بلاوجہ ایموشنل ہو رہی ہیں۔"

مائیکرو ویو سے آواز آنے لگی۔ اُنہوں نے ریک سے پلیٹیں نکالیں۔ باری باری دونوں پلیٹوں میں چاول ڈالے۔ بریانی کی خوشبو کچن اور ہال میں چکرانے لگی تھی۔

"تمہاری نظر میں یہ گناہ نارمل ہے؟"

زرمینہ شاک ہو گئیں۔ جانان گومگو اُنہیں دیکھتی رہ گئی۔

"گناہ کو کیجول نہیں لیتے جانان "

ان کی آنکھوں میں سخت وارننگ تھی۔ جان کا ردعمل اُنہیں ناگوار گزرا تھا۔

"نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ آج کل سب رائٹرز اپنے ناول کو وائرل کرنے کے لئے تھوڑے بہت بولڈ سینز لکھتے ہیں۔"

"اگر ایسا ہوتا تو ریم کا ناول کبھی اتنا مقبول نہیں ہوتا۔ اچھی کتابوں کو فحاشی کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ "

زرمینہ کے الفاظ جانان کو چابک کی طرح لگے تھے۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارے لفظ لوگوں کے سینے میں ہلچل مچائے تو پہلے اپنے دل کو کھولو اور جھانکو اُس میں، دیکھو وہاں کیا ہے۔ "

لمحے بھر کی خاموشی۔۔۔۔!!!!

"جب تم نے لکھنا شروع کیا تھا۔ تب سے لیکر آج تک میں اللہ سے یہی دعا کرتی ہوں۔ اللہ تمہارے قلم سے صرف خیر لکھوائے اور کبھی اگر تم اپنے خیالات کی بھول بھلیوں میں پھنس جاؤ اور کچھ ایسا لکھ دو جو غیر مناسب ہے تو وہ چیز لوگوں کے ذہن سے محو ہو جائے۔"

اُنہوں نے مسکرا کر پلیٹ اُس کے سامنے رکھی مگر وہ پلیٹ کی جانب نہیں زرمینہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔

"آپ مجھے کہہ رہی ہیں کہ ریم مجھ سے بہتر لکھتی ہے؟ "

"تم اس سے بہتر لکھتی ہو۔ اس لئے پاکستان کی بیسٹ کرائم تھرلر رائٹر ہو جان۔ تم میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے سوائے ایک چیز کے "

ہاتھ سے بریانی کا نوالا بنا کر جانان کے منہ میں ڈالا، اس کی آنکھوں میں استفسار تھا۔

"نرمی۔۔۔"

سانس لینے کا وقفہ

"تم نے اپنے اندر کی نرمی کو مکمل ختم کر دیا ہے۔ "

جانان کے منہ کا نوالہ ختم ہوا تو انہوں نے ایک اور نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈال دیا۔

"سخت تو مردہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد انسان سخت ہوجاتا ہے۔ جب تک آپ کے اندر زندگی ہے تب تک خود کو نرم رکھنا چاہئے جان۔"

جانان کی نوالہ چبانے کی رفتار ہلکی ہوگئی۔ نظریں پلیٹ پر جھک گئیں۔

"نرمی انسان کے اندر عاجزی پیدا کرتی ہے۔ انسان کو ڈاؤن ٹو ارتھ رکھتی ہے۔ تکبر سے بچاتی ہے۔ نرم دل والا انسان اللہ کے ہمیشہ نزدیک رہتا ہے۔ "

وہ شفقت سے سمجھاتیں اس کے منہ میں نوالے ڈال رہی تھیں۔ اور وہ چپ چاپ خاموشی سے ان کی بات کو غور سے سن رہی تھی۔ شاید کچھ کچھ سمجھ بھی رہی تھی۔ اتنے میں زرمینہ کا موبائل بج اُٹھا۔ جو صوفے پر رکھا تھا۔ زرمینہ نے پلیٹ جانان کی جانب کھسکائی اور خود اٹھ کر صوفے پر جاکر بیٹھ گئیں۔ بینش آپا کا فون تھا۔ اُنہوں نے یس کا بٹن دبایا۔

"اسلام و علیکم آپا کیسی ہیں؟"

الٹے ہاتھ سے فون کان سے لگا کر استفسار کیا۔

"ٹھیک ہوں بھابھی آپ بتائیں جان سے بات ہوئی؟"

جواباً سوال کیا گیا۔

"آ۔۔۔آپا وہ ابھی تک میری بات نہیں ہو سکی۔ "

کن آکھیوں سے جانان کو دیکھا۔ جو ٹیبل پر گم سم سی بیٹھی کھانا مکمل کر رہی تھی۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"ہیلو ۔۔۔ ہیلو ۔۔۔ بھابھی ۔۔۔ بھابھی آواز نہیں آرہی آپ کی ۔۔۔۔ ہیلو"

بینش سکندر زور سے بولیں۔

"جی آپا اب آرہی ہے آواز؟ "

زرمینہ نے موبائل کان سے ہٹا کر اسکرین کی جانب دیکھا پھر دوبارہ کان سے لگا کر مزید اونچی آواز میں پوچھا۔

"ہیلو زرمینہ بھابھی؟"

وہ ہنوز دوسری جانب سے بولیں جارہی تھیں۔ جانان نے ضبط سے گہری سانس لی۔ اٹھ کر صوفے تک آئی۔ اور ان کے ہاتھ سے موبائل کھینچ کر اسکرین پر نظر ڈالی پھر بھنویں اُچکا زرمینہ کے سامنے اسکرین لہرائی۔ کال ہمیشہ کی طرح میوٹ پر لگ گئی تھی۔زرمینہ نے لاپرواہی سے مسکراتے ہوئے کندھے اُچکا دیئے۔ دوسری جانب سے بینش سکندر اب بھی ہیلو ہیلو کر رہی تھیں۔

"اس طرح ہیلو ہیلو کرنے کی کیا لاجک ہے۔ کال کاٹ کر دوبارہ بھی تو ملائی جاسکتی ہے۔ "

منہ ہی منہ بڑبڑاتے ہوئے۔ اس نے کال میوٹ سے ہٹا کر موبائل دوبارہ زرمینہ کو پکڑا دیا۔ پلٹ کر دوبارہ ٹیبل کی طرف آتے ہوئے۔ اس کے چہرے پر خاموش مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

☆...☆...☆

جاری ہے۔۔۔

باقی آئندہ قسط میں

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

Click here

safareadab.com

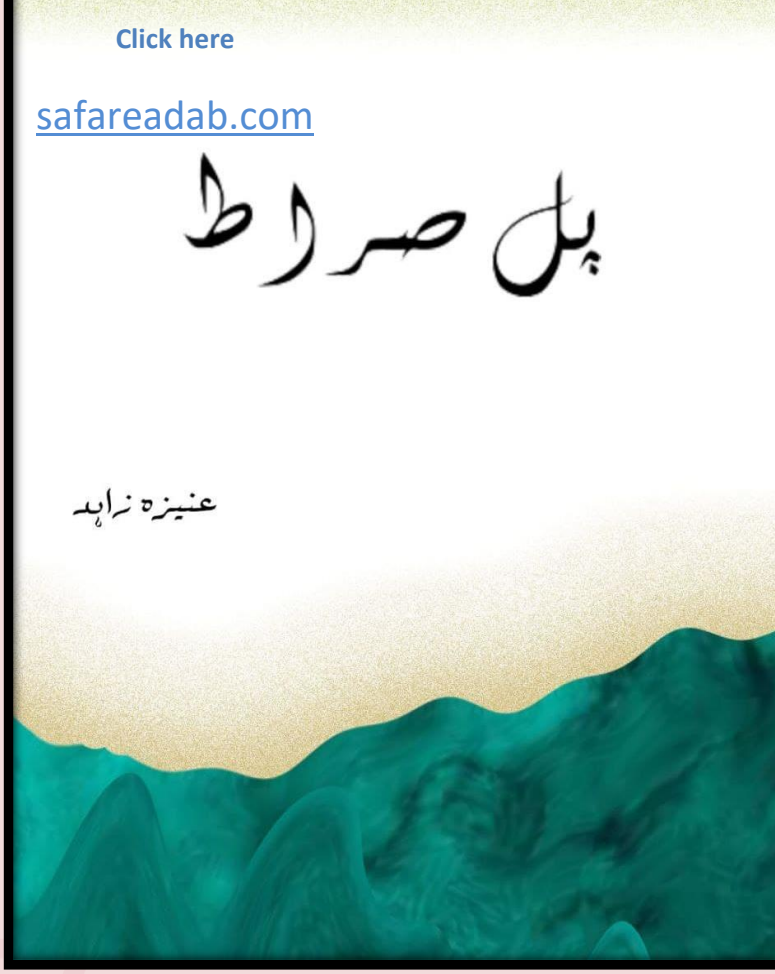

"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہو نا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آ جائے گی۔'

اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

Click here

safareadab.com

"یہاں دستخط کرو غازہ ! "کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بُری طرح کانپے تھے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! "سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔

"سچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا ادھورا رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلیج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمیٹڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلیج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلیج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ح جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِّ الٰہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھٹکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے تو بچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پُر یقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ٹائپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئمہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ ور اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زوردار تھپڑ مار دیا۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آ چکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہسبنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول الم زاد کی ایک جھلک

"آپ کا نکاح جہانگیر صدیقی ولد دانش احمد کے ساتھ بہ عوض پانچ لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت طے کیا گیا ہے کیا آپ کو قبول ہے.." ہے قابو ہوتی دھڑکنوں اور بے یقینی کی سی کیفیت میں اُس نے اُس شخص کو قبول کر لیا تھا۔

"میں بھاگ نہیں رہی ہوں جو رات کی تاریکی میں نکل آؤں میں اپنی مرضی اور خوشی سے آپ کے ساتھ جاؤں گی پوری عزت و احترام کے ساتھ.." اُس کے اپنے الفاظ اُس پر قہقہے لگا رہے تھے کہ کتنی جھوٹی لڑکی ہے جس سے محبت نہ تھی اُس کے ساتھ دن کے روشنی میں جانا تھا جس سے محبت تو وُہ کالے چور کی طرح رات کے اندھیرے میں لینے آیا تو ساتھ چل پڑی۔

Safar-e
BEING THE STRING

"آپ کا نکاح عیشل فراز ولد فراز بیگ کے ساتھ بہ عوض پانچ لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت طے کیا گیا ہے کیا آپ کو قبول ہے.." مولوی صاحب نے تیسری بار دہرایا تھا۔

"قبول ہے.." بے یقینی کی کیفیت اور بے طرح دھڑکتے دِل کے ساتھ اُس نے سرشار لہجے میں اُسے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا۔

آبان کے سینے میں اچانک ہی بے تحاشہ درد اُٹھا تھا بے اختیار ہی پاؤں بریک پر پڑے تھے اُس کا پورا جسم رعشے کے زد میں آ گیا تھا اُسے لگا سالوں سے جس خارزار جزیرے میں

بھٹکتا وُہ اپنا وجود اِس اُمید پر لہولہان کرتا رہا تھا کہ ایک دن رہائی ممکن ہو گی وُہ جزیرہ ہی ہمیشہ کے لیے دُکھ، درد اور حسرتوں کے سمندر میں ڈوبنے لگا ہے۔۔

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں کلک کریں۔

safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جا سکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب